ماہنامہ
بیداری
حیدر آباد

مدیر
☆☆☆
حافظ محمد موسیٰ بھٹو

زیر اہتمام
☆☆☆
سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ
400-بی لطیف آباد4-حیدر آباد
E-MAIL
m.moosabhutto@gmail.com
www.bedarimillat.com

موبائل نمبر:
03463216078

جلد بائیسواں ◯ دسمبر- جنوری2026
قیمت: 25روپے، سالانہ: 300روپے

قرآن کا پیام (مستقل سلسلہ)	محمد موسیٰ بھٹو	۲
ہمارے نام		
تہذیب جدید کے علمبرداروں کا انسانیت کے حوالے سے کردار	محمد موسیٰ بھٹو	۱۱
اہل مغرب کی اپنے قومی اخلاق سے بہرہ وری	مدیر	۱۳
اور ہماری اسلامی اخلاق سے بے بہری		
تہذیب جدید کیا ہے؟	محمد موسیٰ بھٹو	۱۵
عورت اور مرد کی آزادی مساوات مرد وزن کا تجزیہ	مدیر	۱۷
پیر ذوالفقارؒ	محمد موسیٰ بھٹو	۲۸
مغربی تہذیب کو مادی تہذیب بنانے میں فلاسفروں کا کردار	محمد موسیٰ بھٹو	۲۹
مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں میں دعوتی کام کی ضرورت	مدیر	۳۲
یہودیوں کا کردار قرآن کی نظر میں	احسان الحق شاہ ہاشمی	۳۴
تعمیر شخصیت میں اہل اللہ کا کردار	عائشہ صدیقہ۔ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ	۴۹
دین کی بنیادیں اور دینی خرابیوں کے اہم اسباب	حضرت مولانا مفتی محمود اشرف کا خطاب: ضبط و تحریر صادق حسین	۶۵
ہمارے کچھ اہم معاملات	محمد موسیٰ بھٹو	۷۴
احادیث نبوی کی روشنی میں		

پبلشر: محمد موسیٰ بھٹو نے یادگار پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر سندھ نیشنل اکیڈمی ٹرسٹ 400بی لطیف آباد-4-حیدر آباد سے شائع کیا

قرآن کا پیام

ہمارے نام

نعمتوں کی شکر ادائیگی سے

مزید نعمتوں کا عطا ہونا

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۷)

(میری نعمتوں کا شکر ادا کرو تو تمہیں مزید نعمتیں عطا کروں گا، اگر ناشکری کروگے تو (یاد رکھو کہ میرا عذاب شدید ہے)۔

اس آیت میں نعمتوں کی شکر ادائیگی سے مزید نعمتوں کے عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا گیا ہے، سب سے بڑی نعمت تو ایمان کی نعمت ہے، اس کی شکر ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ اللہ کی خالص عبادت اطاعت کو وظیفہ بنایا جائے، اس سے ایمان میں اضافے کی صورت پیدا ہوگی۔

مال کا حاصل ہونا یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، اس کی شکر ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کے ساتھ ساتھ غریب وغربا اور تنگ دست افراد کو بھی اس نعمت میں شامل کیا جائے، اس سے نعمت میں اضافہ ہوگا۔

صحت کی صورت میں بھی نعمت حاصل ہے، اس نعمت کی شکر ادائیگی یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اور ذکر وفکر میں توانائیوں کو استعمال کیا جائے، علم بھی نعمت ہے، اس کی شکر ادائیگی یہ ہے کہ دوسروں کو علم کی حقیقت سے آشنا کیا جائے، اس سے علم کی نعمت میں مزید اضافہ ہوگا، یعنی علم میں ترقی ہوگی۔

شکر ادائیگی کی ایک صورت تو زبان سے نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا ہے کہ یا اللہ میں ان نعمتوں کا مستحق نہیں تھا، یہ تیرا فضل خاص ہے کہ تو نے یہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں، بس استدعا ہے کہ ان نعمتوں کو قائم اور برقرار رکھ لے اور آخرت میں ان نعمتوں کا حساب کتاب نہ ہو، اگر ہو تو حساب میں آسانی کی صورت پیدا فرما۔

نعمتوں کی شکر ادائیگی کی صورت وہی ہے، جس کا اوپر ذکر کیا گیا کہ دوسروں کو ان نعمتوں میں حصہ دار اور شریک بنایا جائے۔

نعمتوں کی ناشکری سے مراد اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کی سرکشی اور اس کی نافرمانی میں صرف کرنا، مثلاً جسمانی توانائیوں اور مال کو عبادت واطاعت کے منافی کاموں میں صرف کرنا۔ ایسا کرنے کی صورت میں عذاب کی خبر سنائی گئی ہے۔

بڑے لوگوں کی سرکشی
کی وجہ سے عذاب کا آنا

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱۶) (جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں (اس کے گناہوں کے باعث) تو پہلے ہم (نبیوں کے ذریعہ) وہاں کے رئیسوں کو (نیکی کا) حکم دیتے ہیں، مگر وہ (الٹا) اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں پس واجب ہو جاتا ہے ان پر (عذاب کا) فرمان، پھر ہم اس بستی کو جڑ سے اکھیڑ کر رکھ دیتے ہیں۔)

اس آیت سے ایک اہم بات جو ثابت ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ سے بغاوت اور سرکشی کا آغاز سرداروں اور مالداروں کی طرف سے ہوتا ہے، چونکہ عام لوگ ان کے زیر اثر اور تابع ہوتے ہیں، اس لئے وہ بھی مالداروں اور سرداروں کے نقش قدم پر چل کر عام طور پر سرکشی

کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں، بہت کم افراد ہوتے ہیں جو سرداروں سے آزاد ہو کر داعی کی تتبع کی راہ اختیار کریں۔

چنانچہ سرداروں اور بڑے لوگوں کی طرف سے اسلامی دعوت کو مسترد کرنے اور اللہ سے سرکشی اختیار کرنے کے نتیجے میں ان پر اللہ کے عذاب کا قانون لاگو ہو جاتا ہے، اور وہ عذاب کے مستحق قرار دیئے جاتے ہیں۔

قیادت، سیادت اور مالداری اپنے ساتھ بڑے پن کے جذبات واحساسات بھی لاتی ہے، جو حق قبول کرنے کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے، قرآن میں متعدد مقامات پر مالداروں اور سرداروں کی اس روش کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

قرآن کے اٹھارویں پارے میں حضرت نوح علیہ السلام کے حوالے سے ہے: اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ یہ تو تم جیسا فرد ہے، اور یہ تم پر بڑائی حاصل کرنی چاہتا ہے۔ (سورۃ المومنوں آیت ۲۳)

اسی سورہ میں ایک دوسری آیت ہے: تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے انہیں آسودگی دے رکھی تھی کہنے لگے یہ تو تمہارے جیسا فرد ہے آگے ہے کہ اگر تم ان کا کہنا مانو گے تو گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ (سورۃ المومنوں آیت ۳۳۔۳۴)

قرآن میں سرداروں اور مالداروں کے حوالے سے اس طرح کی اور بھی آیات ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیادت اور سیادت کی وجہ سے ایک تو اپنی بڑائی اور اللہ سے سرکشی کا ان کا مزاج پختہ ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ حق وصداقت کے پیغام کی مخالفت میں پیش پیش رہے، دوسرے یہ کہ انہوں نے قیادت وسیادت اور مالداری کی وجہ سے ایسا نظام قائم کر لیا

تھا، جس کی وجہ سے عام لوگ ان کی تقلید کے بندھن میں مبتلا ہو گئے تھے، دوسرے الفاظ میں وہ ان کی فکر کے سحر میں مبتلا تھے۔

حق وصداقت کے پیغام کو مسترد کرنے کے سلسلے میں قیادت، سیادت اور مالداروں کی لگ بھگ ہر دور میں یہی روش رہی ہے، موجودہ دور میں بھی عالمی سطح سے لے کر ملکوں اور قوموں کی سطح تک کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بڑے لوگوں نے ایسا نظام تشکیل دیا ہے، جو مادی دنیا کو ترجیح دینے اور مادیت پسندی پر مبنی نظام ہے، جس کی وجہ سے حق وصداقت کی بات کو قبول کرنے کا مزاج نہیں رہا۔

ہر گروہ کے پاس صحیح وغلط کا اپنا معیار کا ہونا

كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۔ (سورۃ الروم آیت ۳۲) (ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی پر خوش ہے)۔

اس آیت میں انسانی مزاج کی اس خرابی کی نشاندہی فرمائی گئی ہے کہ ہر گروہ نے حق اور باطل یا صحیح اور غلط کا جو معیار اختیار کیا ہے، وہ وہی ہے جو اس گروہ کے فکری سانچے میں موجود ہوتا ہے، چونکہ صحیح اور غلط کا معیار اپنا گروہ بن جاتا ہے، اس لئے گروہ سے بلند ہو کر حق کو سمجھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے۔

عیسائی، یہودی، مجوسی، ہندومت، بدھ مت وغیرہ مذاہب سے متعلق لوگ اپنے ہی گروہی اور دائرہ میں موجود خیر کو کل حق سمجھکر اس پر شاداں وفرحاں ہیں، حالانکہ حق تو ایک ہی ہے، وہ حق توحید، رسالت، آخرت کے عقیدہ اور اللہ اور اس کی اطاعت پر مبنی ہے، جس میں خالص اللہ کی عبادت بھی شامل ہے۔

مسلم امت بھی مختلف گروہوں میں منقسم ہے، ہر گروہ نے اپنی اپنی فکر پر مشتمل جماعت تشکیل دی ہے، اس جماعت اور گروہ ہی کو صحیح وغلط کا معیار قرار دیا گیا ہے، خیر، مسلم امت کے اختلافات اتنے زیادہ سنگین نہیں ہیں کہ ان کے حق و باطل کے معیار الگ الگ ہوں،

ان کے اختلافات کلامی نوعیت کے ہیں یا اسلام کی تعبیر و تشریح سے متعلق ہیں یا فقہی نوعیت کے ہیں۔

اس کے باوجود ہماری نظر میں اصل راستہ قرآن وسنت کے ساتھ سبیل المومنین کا ہے، جس پر صلحائے امت گامزن رہے ہیں، اسی راستے پر گامزن افراد اگر شاداں وفرحاں ہوں تو حق بجانب ہیں، امت کے باقی گروہوں کو بھی اسی راہ پر گامزن ہونا پڑے گا۔

دین کی راہ آسان کرنے والی صفات

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۔ (سورۃ الیل آیت ۵۔۱۰) (اور جس نے (راہ خدا میں اپنا) مال دیا اور (اللہ سے) ڈرتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے آسان راہ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لئے مشکل راہ)۔

ان آیات میں بعض صفات بتائی گئی ہیں کہ ان صفات کے حامل فرد کے لئے دین کی راہ آسان کر دی جائے گی، اس کے لئے ایمان و عمل صالحہ کی زندگی سہل ہو گی اور جنت اس کا مسکن ہو گی، ان صفات میں پہلی صفت اللہ کے لئے مال خرچ کرنا ہے، کہ مال خرچ کرنے سے طبیعت کا بخل اور اس کی تنگی دور ہو کر سینہ میں کشادگی پیدا ہوتی ہے دوسری تقویٰ کی صفت ہے کہ اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزاری جائے، اللہ سے ڈرنے والا اللہ کی نافرمانی سے بچ جاتا ہے، تیسری صفت اچھی باتوں کی تصدیق کرنا ہے، ان صفات کے حامل فرد کے لئے نیکی کی راہ آسان کر دی جاتی ہے اور اس میں حائل مشکلات کو دور کر دیا جاتا ہے، آیات کے دوسرے حصے میں ایسے فرد کی نشاندہی فرمائی گئی جس کے لئے خدا پرستی، اللہ ورسول کی اطاعت اور دین پر چلنے کی راہ مشکل کر دی جائے گی، ایسے فرد کی جو خراب خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، ان

میں مال میں بخل کا مظاہرہ کرنا، اللہ اور اس کے رسول کے احکامات سے بے پرواہی اختیار کرنا اور اچھی بات کو جھٹلانا شامل ہے۔

جہنم سے بچنے والے فرد کی صفات

وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۔ (سورۃ الیل آیت ۱۷۔۱۸) (اور جو بڑا پرہیز گار ہے وہ (جہنم سے) بچالیا جائے گا اور جو اپنا مال دیتا ہے پاک ہونے کے لئے)۔

ان دو آیات میں جہنم سے بچنے والے فرد کی صفات بیان فرمائی گئیں ہیں، ایک صفت یہ ہے کہ ایسا فرد اللہ سے بہت زیادہ ڈرتا رہتا ہے، اللہ کا خوف اس کا احاطہ کر لیتا ہے، دوسری صفت یہ ہے کہ ایسا شخص اللہ کے لئے مال خرچ کرتا ہے، اس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس کا تزکیہ ہو جائے، اس کا نفس سدھر جائے اور وہ مہذب ہو جائے، یہ دونوں خصوصیات ایسی ہیں جو غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں، تقویٰ ایک مستقل عمل ہے جس سے شخصیت میں پرہیز گاری پیدا ہوتی ہے، اور ہر عمل کے وقت فرد کے اندر یہ احساس غالب ہوتا ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے، اس لئے میرے عمل میں کجی نہ ہو، اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے نفس پر قابو پانے کی صورت پیدا ہوتی ہے، یہ آیت بتاتی ہے کہ تزکیہ نفس کی ایک صورت اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی بھی ہے، مال سے چونکہ ہر فرد کو محبت ہوتی ہے، دل مال میں اٹکا ہوا ہوتا ہے، اس لئے جو شخص دل کھول کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرے گا، اس کے نفس کے سنورنے کی صورت پیدا ہو گی، ان صفات کے حامل فرد کو جہنم سے خلاصی کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔

اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرنا

وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ (سورۃ المومن آیت ۴۴) (میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں)۔

بندہ مومن مشکل سے مشکل کام سرانجام دیتے ہوئے یہی الفاظ ادا کرتا ہے، اللہ اسے حالات کے رحم کرم پر چھوڑنے کے بجائے اس کے سارے مشکل کاموں کے لئے کافی ثابت ہوتا ہے اور اس کے لئے راہیں نکال دیتا ہے، یہ الفاظ سورہ المومن میں فرعون کی دربار کی ایک بندہ مومن کے ہیں، جو قرآن نے نقل فرمائے ہیں، وہ بندہ مومن فرعون کی قوم سے تھا اور فرعون کی سلطنت کے اہم ارکان میں شامل تھا، جب فرعون کے درباریوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تو یہ بندہ مومن جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، وہ کھل کر سامنے آگیا اور اس نے فرعون اور ان کے درباریوں کے سامنے جو گفتگو فرمائی، وہ بہت اہم گفتگو ہے، اور صاحب ایمان فرد کے حوصلہ وہمت کو جلا دینے والی گفتگو ہے۔

بندہ مومن کی یہ گفتگو دو رکوع پر مشتمل ہے۔

راہ ہدایت پر گامزن افراد کی
ہدایت میں اضافہ کرتے رہنا

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۔ (سورۃ محمد آیت ۱۷) (جو لوگ راہ ہدایت پر ہیں (اللہ) ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے اور انہیں تقویٰ عطا فرماتا ہے)۔

اس آیت میں بندہ مومن کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ جب وہ ہدایت کے راستے پر چلتا ہے تو اس کے لئے آسانیاں پیدا کر دی جاتی ہیں، راہ ہدایت میں حائل مشکلات کو رفتہ رفتہ دور کر دیا جاتا ہے، اس کے ایمان اور اعمال کی حالت میں بہتری پیدا کر دی جاتی ہے، اس کی ہدایت اور تقویٰ میں اضافہ کر دیا جاتا ہے، یعنی بندہ مومن راہ ہدایت یا ایمانی اعتبار سے ایک ہی مقام پر کھڑا نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اس حالت میں ارتقا ہوتی رہتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ بندہ اصولوں کے ساتھ چلے، جس میں دنیاداروں سے دوستانہ مراسم قائم نہ رکھنا اور وقت کے صحیح استعمال کا اصول شامل ہے، اگر وہ ایسا کر کے راہ ہدایت پر چلے گا، اور اللہ کے ذکر وعبادت میں

محویت کا مظاہرہ کرے گا تو اس کے لازمی نتیجے کے طور پر ہدایت کی راہیں کھول دی جائیں گی اور اسے نفس کی قوتوں پر قابو پانے کی استعداد عطا کی جائے گی۔

اگرچہ نفس، شیطان اور مادیت پسند ماحول کی طرف سے سخت رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، لیکن استقامت کا مظاہرہ کرتے رہنے سے اللہ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے، فرد نفس کی قوتوں کے زیر اثر گرتا ہے تو اسے اٹھا دیا جاتا ہے، پھر از سر نو چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائی جاتی ہے، یہ حالت اس کے ساتھ آئے دن پیش آتی رہتی ہے۔ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ہدایت اور تقویٰ کا ملکہ مستحکم ہو جاتا ہے، وہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔

قرآن میں اس طرح کی آیت ایک اور جگہ بھی ہے۔

وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ (سورۃ مریم آیت ۷۶) (جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ ان کی ہدایت میں اضافہ فرماتا ہے)۔

انسان کی تخلیق میں بُرائی اور نیکی دونوں کا موجود ہونا

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا۔ (سورۃ الشمس آیت ۷، ۸)

(اور قسم ہے انسان کی اور اس کی جس نے اسے درست کیا پھر الہام کیا اس پر بدکاری اور پرہیزگاری کا)۔

اس آیت میں اس حقیقت کو واضح فرمایا گیا ہے کہ انسان کی تخلیق میں بُرائی اور نیکی، بدکاری اور پرہیزگاری یہ دونوں ودیعت شدہ ہیں، اگر وہ نیکی کی راہ پر چلنا چاہے تو فطرت میں اس کے طاقتور تقاضے موجود ہیں اور دل اور روح اسے نیکی کے تقاضوں پر چلنے میں غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوتے ہیں، لیکن اگر وہ بُرائی کی راہ اختیار کرنا چاہے اور مادیت پرستانہ طرز

عمل کو وظیفہ حیات بنائے تو وہ ایسا بھی کر سکتا ہے، اس کے لئے نفس کی قوت موجود ہے، جو اسے بُرائی کی راہ پر اکساتی رہے گی۔

یعنی انسانی شخصیت کو ایک ہی راہ پر چلنے کا پابند نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کی شخصیت میں دونوں راہوں میں کسی بھی ایک راہ پر چلنے کا اسے اختیار دیا گیا ہے۔

انسان کی آزمائش کی خاطر ہی اسے بُرائی اور نیکی کے درمیان کشمکش کی حالت میں رکھا گیا ہے، دل اور روح کے تقاضے یہ ہیں کہ بندہ اللہ کی محبت کے زیر اثر نیکی اور پرہیزگاری کی راہ اختیار کرے، جب کہ نفس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ خواہشات کے مطابق زندگی گزارے، اس لئے کہ خواہشات میں ایک طرح کی لذت رکھی گئی ہے، دل اور نفس کے درمیان اس کشمش کی حالت میں جو شخص نفس کو سنوارنے اور پاک بنانے کے لئے مجاہدوں سے کام لے گا، اگلی آیت میں اسے کامیابی کی بشارت سنائی گئی ہے۔

انسان کا المیہ ہے کہ وہ لگ بھگ ہر دور میں فطرت میں موجود نیکی پر چلنے کے طاقتور تقاضوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ایسا ریاستی نظام اور ایسا معاشرہ تشکیل دیتا ہے، جس میں افراد کے لئے خواہشات کے مطابق زندگی گذارنا آسان ہو اور وہ آسائش کے سامان سے دلبستگی ہو۔

بہت کم افراد ہوتے ہیں، جو شخصیت میں ودیعت شدہ نیکی کے تقاضوں سے کام لے کر اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے اور استقامت سے اللہ کی راہ پر چلتے رہنے کا مظاہرہ کرتے ہوں۔

انسان کی ساری تاریخ نیکی اور بدی کی قوتوں کے درمیان کشمش سے ہی عبارت ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

تہذیب جدید کے علمبرداروں کا

انسانیت کے حوالے سے کردار

تہذیب جدید اور اس کے علمبرداروں کو اللہ نے بڑا موقعہ دیا کہ وہ اپنی برتری کے دور سے فائدہ اٹھا کر، انسانوں کے سامنے اچھا ماڈل پیش کریں، اور انہیں مالی اعتبار سے اپنا محتاج بنانے اور ان پر اپنی پالیسیاں مسلط کر کے ان کے وسائل پر قبضہ جمانے کے بجائے سب کو یکساں طور پر زندہ رہنے اور ترقی کرنے کے مواقع دیں، آزادی کو صرف اپنا حق سمجھکر دوسروں سے آزادی سلب کرنے اور انہیں اپنا ذہنی غلام بنانے کی کاوشیں نہ کریں، نیز انسانیت کے حقوق کے مسائل کو اپنے مسائل سمجھتے ہوئے سب کے حقوق کا احترام کریں، لیکن مغربی تہذیب اور اس کے علمبرداروں نے آزادی، حقوق اور ترقی کو اپنی میراث سمجھکر دوسری قوموں کو پامال کر کے، اپنی برتری کو قائم رکھا اور قدرت کی دی ہوئی اس مہلت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، پاکستان میں پچھلے ۷۵ سال سے آزادی اور حقوق کے نام پر جو کھیل کھیلا جارہا ہے، کون نہیں جانتا کہ اس کھیل کے پس پردہ امریکہ کا ہاتھ ہے، حالت یہ ہے کہ باصلاحیت افراد سے آگے بڑھکر کام کرنے کے مواقع سلب کر دیئے گئے ہیں، اسلامی تہذیب کے فروغ کے راستے شروع سے روک دیئے گئے ہیں۔

زیادہ نہیں تو جو آزادی اور جو حقوق مغربی تہذیب کے علمبرداروں نے اپنی قوموں کے لئے روا سمجھے ہیں، اگر دوسری قوموں کو بھی ان حقوق سے بہرہ ور ہونے کا موقعہ دیتے اور وہاں آمریتوں کو مسلط کرنے میں کردار ادا نہ کرتے تو یہ بھی مغربی تہذیب کے علمبرداروں کا قوموں پر بڑا احسان ہوتا، لیکن بُرا ہو جذبہ بالادستی اور غلبہ مفادات کا کہ اس نے تہذیب جدید کے علمبرداروں کو ایسا کرنے نہیں دیا، پچھلے تین سو سال سے دنیا یہ منظر دیکھ رہی ہے کہ

تہذیب جدید کے علمبرداروں شروع میں فوج کشی کے ذریعہ قوموں کو غلام بنایا، اس کے بعد اپنے تیار کردہ ذہنی غلاموں کے ذریعہ قوموں کو اپنی غلامی کی زنجیروں میں کسنا شروع کیا، لگ بھگ پچھلے ایک سو سال سے یہ کردار امریکہ ادا کر رہا ہے۔

اگرچہ تہذیب جدید کے علمبرداروں کے پاس انسانیت کو دینے کے لئے پاکیزہ اقدار اور اخلاقیات کا پاکیزہ سرمایہ موجود نہیں ہے، لیکن آزادی اور انسانی حقوق کے حوالے سے تو ان کے پاس کچھ نہ کچھ سرمایہ موجود تھا اور موجود ہے، جس سے انہوں نے اپنی قوموں کو بہرہ ور کیا، اگر یہی انسانی حقوق وہ اپنے ذہنی غلاموں کے ذریعہ دوسری قوموں اور ملکوں کو عطا کرتے تو کہا جاسکتا تھا کہ تہذیب جدید نے انسانیت کو کچھ نہ کچھ تو دیا ہے۔

مغربی تہذیب کے علمبرداروں کو ایک ہی فکر دامنگیر ہے، جس کے تحت ان کی خارجی پالیسیاں بنتی ہیں، وہ یہ ہے کہ کہیں کسی بھی مسلمان ملک میں اسلامی تہذیب اور اسلامی فکر کو غلبہ نہ ہونے پائے، اس لئے کہ اگر کسی ملک میں اسلام کو عملاً غلبہ حاصل ہو گیا تو پھر دنیا پر سے ہمارا غلبہ باقی نہ رہے گا، افغانستان پر فوج کشی کرتے وقت امریکہ کے وزیر خارجہ نے کہا تھا کہ افغانستان سے ہماری تہذیب کو خطرہ درپیش ہے، اپنی تہذیب کو بچانے کے لئے فوج کشی ناگزیر ہے۔

افغانستان جو ہر اعتبار سے پسماندہ ہے اور جو امریکہ سے دور دراز ہے، وہاں سے امریکہ جیسی سپر طاقت کو کیا خطرہ ہو سکتا تھا، یہ دراصل افغانیوں کی اسلامی تہذیب سے حمیت کی حد تک وابستگی کا چیلنج تھا، جو امریکہ کو درپیش تھا۔

انسانیت کو امن چاہئے، جنگوں سے بچاؤ کی حالت چاہئے، دو وقت کی روٹی چاہئے، ملکوں اور قوموں پر بالواسطہ تسلط سے نجات چاہئے، ان سے اپنی قوم کی طرح معاملہ کرنا چاہئے، سود در سود کے ذریعہ ملکوں کو غلامی سے چھٹکارہ چاہئے، یہ ایسی چیزیں ہیں، انسانیت کی ناگزیر ضرورت ہیں، مغرب اپنی عالمگیر بالادستی کے دور میں اگر انسانیت کو یہ چیزیں دے سکے تو یہ انسانیت پر اس کا احسان شمار ہوگا، لیکن مغرب قوموں اور ملکوں پر اپنی ہمہ جہتی بالادستی سے دستبار ہونے کے لئے تیار نہیں ہے تو انسانیت کی آہیں اسے بھی اسی طرح زوال سے دوچار کر دیں گی، جس طرح دوسری بالادست قومیں زوال سے دوچار ہوئیں۔

اہل مغرب کی اپنے قومی اخلاق سے بہرہ وری
اور ہماری اسلامی اخلاق سے بے بہری

مغرب قومی اور کاروباری اخلاق سے بہرہ ور ہے، جس کی وجہ سے دوسرے معاملات میں زوال کے باوجود وہ باقی ہے اور دنیا پر اس کی بالادستی قائم ہے، اخلاق قومی ہو، کاروباری ہو یا دینی نوعیت کا اخلاق، اخلاق ہی ہوتا ہے، قومی زندگی پر اس کے گہرے اثرات ثبت ہوتے ہیں، لیکن دینی اخلاق کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے لئے ہوتا ہے، اس میں دوسری کوئی غرض شامل نہیں ہوتی، اس لئے دینی اخلاق کے ساتھ اللہ کی برکت کا نظام شامل ہو جاتا ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نہ تو قومی اور کاروباری اخلاق سے مزین ہیں، نہ ہی دینی اخلاق سے، اس کا نتیجہ ہے کہ ہم ہر طرح کے بحران سے دوچار ہیں، ہمارے لاکھوں ذہین و باصلاحیت افراد اخلاقی بحران کی وجہ سے ملک سے بدظن ہو کر مغرب منتقل ہو رہے ہیں۔

مغرب کا قومی و کاروباری اخلاق دنیا بھر کے لوگوں کو مغرب کھینچنے کا باعث بن رہا ہے۔

قومی اور کاروباری اخلاق ملک کے ساتھ وفاداری کے جذبہ کو جنم لیتا ہے، اس سے باہم شکوہ شکایات کا موقعہ کم پیدا ہوتا ہے، قومی وحدت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔

اہل مغرب نے دین و مذہب سے دوری کے باوجود بعض اہم معاملات میں اپنے لوگوں میں قومی اخلاق کیسے پیدا کیا، اس لئے کہ ہمارا موقف یہ رہا ہے کہ اخلاق عبادت، ذکر و فکر اور اللہ کی محبت اور تزکیہ کی کوششوں سے پیدا ہوتا ہے۔

اہل مغرب کا قومی اخلاق دراصل ان کے نظام تعلیم و تربیت کا حصہ ہے، بچہ اسکول میں داخل ہوتے ہی اسے نہ صرف عرصہ تک قومی اخلاق سے آشنا کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے ذہن میں یہ بات بٹھائی جاتی ہے کہ جھوٹ، رشوت، خیانت، بدعہدی، وعدہ خلافی، دوسروں کی

رقم ہضم کرنا، قومی ذمہ داریوں سے غفلت کا مظاہرہ کرنا، دوسروں کے نقصان کی قیمت پر دولت کمانا وغیرہ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جو کسی بھی قوم کے لئے موت کی حیثیت رکھتی ہیں، ایسی قومیں زوال کا شکار ہوتی ہے، وہ دراصل ملک کی سلامتی سے کھیل رہی ہوتی ہیں، اس لئے زوال سے بچنے کے لئے قومی اخلاق کو ہر صورت میں قائم اور برقرار رکھنا ہے۔

قومی اخلاق کو عزیز سے عزیز تر رکھنے کے لئے اخلاق کی یہ تربیت ان کے تعلیم کا بنیادی حصہ ہے۔

مغرب نے قوموں کے عروج و زوال کے مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ قومی اخلاق کے بغیر بقا اور سلامتی کا حاصل ہونا محال تر ہے۔

اس قومی اخلاق کا وہ پھل کھا رہے ہیں کہ خاندانی نظام کی تباہی، شراب کے کثرت سے استعمال اور ڈپریشن کی بڑھتی ہوئی واردات کے باوجود ان کی بالادستی اور قومی وحدت کا نظام قائم ہے، اور دنیا بھر کے باصلاحیت لوگ ان کے ہاں جا کر ان کے نظام کے لئے تقویت کا باعث بن رہے ہیں۔

اس اعتبار سے ہم کہاں کھڑے ہیں؟ یہ حالت ایسی ہے جو غمناک ہے اور دردمند افراد کو رلانے کا ذریعہ بھی۔

جب مقتدر طبقات کی اخلاقی حس باقی نہیں رہتی تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے، اخلاق کی پاکیزہ تعلیمات کے باوجود ہماری یہ حالت قابل رحم ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

تہذیب جدید کیا ہے؟

تہذیب جدید کہتی ہے کہ جو کچھ بھی مادی زندگی ہے، اس دنیا کے بعد کوئی زندگی نہیں، اس لئے اس کی فکر عبث ہے، مادی زندگی پر مرمٹنا اور اس میں اپنی ساری صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کرنا، یہ تہذیب جدید کا خاصہ ہے۔

اس وقت تہذیب جدید پوری دنیا پر چھائی ہوئی ہے، اس لئے کہ انسان کی ذہن سازی کے سارے جدید ذرائع تہذیب جدید کے علمبرداروں کے پاس ہیں۔

خالص مادی زندگی افراد میں جو ہلچل برپا کرتی ہے، افراد کو جس طرح نفسیاتی مریض بناتی ہے کہ وہ کسی کام کے قابل نہیں رہتے، تہذیب جدید اس کا علاج نہیں ہے، سوائے نشہ آور گولیوں اور اچھے جملوں کے تکرار کے۔

تہذیب جدید کے علمبرداروں نے یقیناً مادی طور ترقی کی ہے، اتنی ترقی کہ انسانی تاریخ میں اتنی مادی ترقی کبھی نہیں ہوئی، لیکن اس مادی ترقی نے فکری انتشار میں جو اضافہ کیا ہے، وہ بھی کبھی نہیں ہوا۔

تہذیب جدید نے نہ صرف اہل مغرب کو بلکہ پوری انسانیت کو متاثر کیا ہے، اس لئے کہ ٹیکنالوجی اور سفری سہولتوں نے دنیا کو سمیٹ کر ایک شہر یا ایک ملک کی صورت دی ہے۔

پوری انسانیت کو متاثر کرنے والی تہذیب کے علمبرداروں پر انسانیت کے حوالے سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ روح جو اٹل حقیقت ہے، جس کا انکار ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ موت روح کے نکل جانے کا نام ہے، اس روح کی نوعیت اس کے تقاضوں اور اس کی ضروریات پر بھی تحقیق سے کام لیتے، تاکہ روح کی بیماری کی وجہ سے پیدا ہونے والی ذہنی،

نفسیاتی، اخلاقی اور باطنی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ ادراک ہوتا اور ان بیماریوں سے بچاؤ کی بھی کسی حد تک صورت پیدا ہوتی۔

تہذیب جدید کے علمبردار دنیا بھر کے معاملات میں تحقیق کے بارے میں تو سنجیدہ ہیں لیکن اگر سنجیدہ نہیں تو روح اور وحی کی نوعیت کے بارے میں۔

سارے مذاہب کی بنیاد وحی پر رہی ہے، اگرچہ اب سوائے اسلام کے، دوسرے مذاہب میں وحی کی اصل نوعیت باقی نہ رہی ہے، تہذیب جدید کے علمبرداروں کو وحی کی اس مسلمہ حیثیت کی وجہ سے اس کے بارے میں بھی غور و فکر سے کام لینا چاہئے تھا کہ اس میں کہاں تک حقیقت موجود ہے، لیکن بدقسمتی سے تہذیب جدید اس سے بے نیاز ہے۔

تہذیب جدید کو تو صرف آزاد اور آزادانہ زندگی ہے، جس میں خواہشات نفس کی حکمرانوں ہو، اس کے علاوہ تہذیب جدید کو انسان کے دوسرے بنیادی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ انسانیت کا المیہ ہے کہ اسے ایسی تہذیب سے وابستہ ہوا ہے، جو انسانی شخصیت کے بہت بڑے حصے اور اس کی بہت ساری بنیادی اور حقیقی ضرورتوں سے ناآشنائے محض ہے۔

عورت اور مرد کی آزادی

مساوات مرد وزن کا تجزیہ

مغرب میں آزادی کی لہر طاقتور ہے، آزادی بھی ہر طرح کی، دین ومذہب کی حقیقی شکل سے آزادی، گھر سے آزادی، نکاح کے رشتہ میں منسلک ہونے سے آزادی، ہر شعبہ زندگی میں مرد کے ساتھ مل کر کام کرنے کی آزادی، بچے پیدا نہ کرنے کی آزادی، اگر بچے پیدا ہوں تو ان سے جان چھڑا کر سرکاری تحویل میں ان کی پالنا کی آزادی، جنس پر قدغن نہ ہونے کی آزادی، سودی کاروبار کے ذریعہ غریبوں سے دولت لوٹنے کی آزادی اور دولت کی چند طبقات میں مرتکز ہونے کی آزادی، غرض کہ مغرب میں ہر طرح کی آزادی موجود ہے، لیکن سب سے زیادہ جس آزادی نے انہیں بحیثیت قوم شدید نقصان اور بحران سے دوچار کیا ہے، وہ عورت کی بے لاگ آزادی اور اس کے جنسی عمل پر قانونی پابندیوں کے ختم ہونے کی آزادی ہے۔

قدرت نے عورت کو سب سے اہم اور نازک مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ عورت کی ذمہ داری مرد سے زیادہ اہم اور نازک ہے۔ وہ ذمہ داری یہ ہے کہ بچہ (جسے آگے چل کر ریاست کا نظام چلانا ہے) کی بہتر طور پر تربیت کرے اور گھر کے نظام کو سنبھالے۔ بچہ کی ابتدائی چار پانچ سال کی عمر اس طرح کی ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت ماں کی توجہ کا مستحق ہوتا ہے۔ اگر اس وقت اسے ماں کی پوری توجہ حاصل نہیں رہتی تو وہ ساری زندگی مختلف روگوں کا شکار رہتا ہے۔

قدرت نے مرد اور عورت کے کام کا دائرہ جداگانہ مقرر کیا ہے۔ اس مناسبت سے ہی مرد اور عورت کے اندر جسمانی اور عضویاتی صلاحیتیں جداگانہ رکھی ہیں۔ مرد کی جسمانی بناوٹ میں بچے کی تخلیق کی صلاحیت سرے سے موجود ہی نہیں۔ تخلیق کی صلاحیت عورت میں

رکھی گئی ہے۔ اسی طرح عورت معاش کے حصول کے لئے سخت محنت اور مزدوری کی صلاحیتوں سے بڑی حد تک قاصر ہے اور دنیا کے عملی نظام کو چلانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر رکھی ہے۔ جدید علم نفسیات کے ماہروں نے بھی یہ بات واضح کی ہے کہ عورت کو مرد کے دائرے میں لانے اور مساویانہ حقوق دینے کے لئے سب سے پہلے فطرت سے لڑائی لڑنی پڑے گی۔ اس لئے کہ عورت کی جسمانی بناوٹ میں مردوں والی صلاحیتیں موجود ہی نہیں، جو دنیا کے عملی کام سرانجام دینے کے لئے مرد کی جسمانی بناوٹ میں رکھی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں جو تحقیقات ہوئی ہیں اور اس کے جو نتائج سامنے آئے ہیں، وہ تحقیقات اور اس کے نتائج پیش کرنا، ہم یہاں اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ بدقسمتی سے مغربی ممالک کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں بھی عورت کو مرد کے مساویانہ سطح پر لانے اور عورت اور مرد کی برابری نیز عورت کی آزادی کی تحریک شدت کے ساتھ موجود ہے۔ مغربی تہذیب کے دلدادہ افراد ہمارے ہاں بھی مغربی طرز کا معاشرہ قائم کرکے، ہمیں اخلاقی اور تہذیبی طور پر حیوانی سطح پر لانا چاہتے ہیں۔

فرانسیسی مصنف ''الگزس کیرل'' جس کو پرائز ملا تھا، وہ اپنی کتاب Unknown (Manthe) میں لکھتا ہے کہ مردوں اور عورتوں کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، وہ بنیادی نوعیت کے ہیں۔ یہ اختلافات ان کے جسم کی رگوں اور ریشوں کی ساخت کے مختلف ہونے سے پیدا ہوئے ہیں۔ عورتوں کے بیضہ دان سے جو کیمیائی مادے خارج ہوتے ہیں، ان کا اثر صنف نازک کے ہر حصہ پر پڑتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کے طبعی اور نفسیاتی اختلافات کا سبب بھی یہی ہے۔ ان بنیادی حقائق کو نظر انداز کر دینے کی وجہ سے نسوانی آزادی کے علمبرداروں نے یہ دعویٰ کیا کہ مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں اور حقوق بالکل یکساں اور مساوی ہونے چاہئیں۔ حالانکہ حقیقت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان بے حد اختلاف پائے جاتے ہیں۔ عورت کے جسم کے ہر خلیہ پر اس کی نسوانیت کے نقوش موجود ہوتے ہیں۔

یہی بات اس کے اعضاء کے متعلق بھی صحیح ہے۔ بالخصوص اس کے نظام عصبی کے متعلق، عورتوں کو اپنی فطرت کے مطابق اپنے رجحانات کی تشکیل کرنی چاہیے۔ بغیر اس کے کہ وہ مردوں کی تقلید کریں۔ تہذیب کے ارتقاء میں مردوں کے مقابلے میں عورتوں کا زیادہ حصہ ہے۔اس لئے انہیں اپنے خصوصی فرائض سے پہلو تہہ نہیں کرنی چاہیے۔

ہیولاک ایلس جو موجودہ دور میں جنسی نفسیات کا سب سے بڑا ماہر تصور کیا جاتا ہے۔ وہ اپنی کتاب ''مرد اور عورت'' میں عورتوں کی خصوصی فطرت اور جداگانہ صفات کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''عورتوں کی طبیعت میں مردوں کے مقابلہ میں متاثر ہونے کی بہت زیادہ صلاحیت موجود ہے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی عورتیں دوسروں کے بیانات اور خیالات کو مردوں کے مقابلے میں جلد قبول کر لیتی ہیں۔ عورت ہر اس خیال اور رائے کے لئے جان تک قربان کر دیتی ہے، جسے موثر انداز میں اس کے سامنے اس طرح پیش کیا جائے کہ وہ اس کی جذباتی فطرت کو متحرک کر دے۔ نیز عورت دوسروں کی ہمدردی کے لئے تڑپتی ہے۔اور اس میں خود مختاری کا جذبہ ویسا پر زور نہیں ہوتا، جیسا کہ مردوں میں ہوتا ہے۔''

ایلس مزید لکھتا ہے ''عورتوں میں عقل کی کمی ہے، اس میں مرد بڑھے ہوئے ہیں۔ مثلاً مردوں میں اپنے حاصل کردہ علم سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے۔ وہ جو سیکھتے یا حاصل کرتے ہیں، اس میں غور و فکر اور تحقیق و تفتیش کے ذریعے اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ نیز وہ اپنے شعبہ علم و فن کی تفصیلات و جزویات پر زیادہ حاوی ہوتے ہیں۔ انہیں اس کے مشاغل اور تجربات سے زیادہ دلچسپی ہوتی ہے۔ ان کی قوت مشاہدہ بھی عورتوں سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔اس کے برعکس عورتوں کو تحلیل و تجزیہ کا عمل طبعاً ناپسند ہوتا ہے۔ کیونکہ انہیں جبلتاً یہ محسوس ہو جاتا ہے کہ تحلیل و تجربہ کے عمل سے ان کی جذباتی ساخت متاثر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ عورتوں کو بے لچک قواعد اور اٹل اصولوں سے گھبراہٹ ہوتی ہے۔ کیوں کہ ان کی

زندگی جذبات و ہیجانات سے مرکب ہوتی ہے۔ دراصل عورتوں کی یہ صفات ان کی عقل کی کمی کا ثبوت نہیں۔ بلکہ یہ جنسی اختلافات کا نتیجہ ہیں۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سائنس اور تلاش و تحقیق اور علمی موضوعات کے لئے عورت کا دماغ ناموزوں ہے۔ خواہ مستثنیٰ صورتوں میں عورتوں نے اس دائرے میں کتنا ہی اچھا کام کر دکھایا ہو۔''

اسی طرح ڈاکٹر لیمبرس اپنی کتاب ''روح نسوانیت'' میں لکھتی ہیں۔ عورتیں اور مرد صرف طول و قامت، ہڈیوں کی ساخت اور عضلاتی بناوٹ کے اعتبار سے ہی مختلف نہیں، بلکہ اس اعتبار سے بھی مختلف ہیں کہ وہ ہوا اور غذا کی ایک ہی مقدار جذب نہیں کرتے۔ ان کے امراض کی نوعیت جداگانہ ہوتی ہیں۔ ان کے ذہنی اور اخلاقی رجحانات میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ ترقی اور ارتقاء صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ مردوں اور عورتوں کے معاشرتی حقوق و فرائض کا تعین کرنے میں ان کے فرق اور اختلافات کو پیش نظر رکھا جائے۔''

انیسویں صدی کے انسائیکلوپیڈیا کا مصنف لفظ ''عورت'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

مرد و عورت میں اعضائے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن صرف یہی اختلاف نہیں ہے۔ عورت کے اور تمام اعضاء سر سے پیر تک مرد کے اعضاء سے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اعضاء بھی جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہیں۔''

''علمی تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کا قد کا اوسط طول مرد کے قد کی اوسط درازی سے بارہ سینٹی میٹر کم ہے۔ یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ جس طرح وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے، اسی طرح متمدن ممالک میں پایا جاتا ہے اور جوانوں کی طرح بچے بھی اس اختلاف کی شہادت دیتے ہیں۔''

جس طرح عمر کے اوسط میں فرق پایا جاتا ہے۔اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل میں بھی فرق پایا جاتا ہے۔ مرد کے جسم کا متوسط ثقل سینتالیس کلو ہے۔ مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کلو اور نصف سے کسی حالت میں زیادہ نہیں ہوتا۔یعنی عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کلو کم ہوتا ہے۔ عضلات کے حجم و قوت کے لحاظ سے بھی عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

''مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے تو عورت کے جسم کے عضلات مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہیں اور حجم و قوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہیں کہ اگر ان کی طبعی قوت کے تین حصے کئے جائیں تو دو حصے قوت مرد کے حصے میں آئے گی اور صرف ایک حصہ قوت عورت میں ثابت ہو گی۔ عضلات کی حرکت کی سرعت اور ضبط کا بھی یہی حال ہے۔ مرد کے عضلات جسمی، عورت کی نسبت حرکت میں زیادہ تیز اور اپنے فعل میں زیادہ قوی ہیں۔''

قلب جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے۔اسی طرح اس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت کا قلب مرد کے قلب سے ساٹھ ڈرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔

سرعت تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے۔ علمی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ سانس کے ذریعے سے کاربونک ایسڈ کے جو ذرات باہر آتے ہیں، وہ اندرونی حرارت کی گرمی سے بخارات بن کر سانس میں ملے ہوئے نکلتے ہیں۔اس تجربہ کی بناء پر تحقیق کیا گیا تو معلوم ہوا کہ مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربن کی مقدار جلاتا ہے۔ مگر عورت چھ ڈرام سے کچھ زیادہ جلاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی حرارت عزیزی بھی مرد کے مقابلہ میں بہت کم یا نصف سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ عورت کا دماغی

ضعف، یہ تمام تحقیقات اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں۔

مشہور نہلسٹ فلاسفر علامہ پروڈن اپنی کتاب ابتکار انتظام میں لکھتا ہے کہ ''عورت کا وجدان بمقابلہ مرد کے وجدان کے اسی قدر ضعیف ہے، جس قدر اس کی عقلی قوت مرد کی عقلی قوت کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے۔اس کی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے اور دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حسن و قبیح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ مردوں کی رائے کے مطابق نہیں ہوتی۔ پس عورت اور مرد میں عدم مساوات کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے۔''

حواس خمسہ جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشوونما کا مدار ہے۔ اس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ نیکولس اور علامہ ہیلی نے ثابت کر دیا ہے کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف تر ہیں۔

(ا) عورت کی قوت شامہ کی طاقت سے یہ امر باہر ہے کہ وہ ایک خاص فاصلہ سے عطر لیموں کی خوشبو محسوس کر سکے، بر خلاف مرد کے کہ اس کی قوت شامہ اس قدر قوی ہے کہ وہ اس درجہ کی خوشبو کو آسانی سے محسوس کر لیتا ہے۔ جس سے دو چند مقدار کی خوشبو سے عورت کو احساس ہو سکتا ہے۔

(ب) اسی طرح تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ عورت ہلکے براسک ایسڈ کی بو ۱/۲۰۰۰ کی نسبت سے اور مرد ۱/۱۰۰۰ سے محسوس کر سکتا ہے۔ جو ضعیف کی بین دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا حاسہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہے۔اس کے لئے کسی تشریح دلیل کی ضرورت نہیں۔انسائیکلوپیڈیا نے تصریح کر دی ہے کہ۔

''اسی ضعف کا نتیجہ ہے کہ بعام کی عمدگی اور بدمزگی پہچاننے والے، آواز کے پرکھنے والے اور پیانو کی راگوں کے آواز کل کے کل مرد کے ہیں۔ایک عورت نے بھی خود کو ان باتوں میں باکمال ثابت نہیں کیا۔''

(د) قوت لامسہ کے متعلق علامہ لومبروزاور سیرجی وغیرہ استادوں کی متفقہ تحقیق ہے کہ ''عورت میں یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہے۔ان کی محققانہ دلیل یہ ہے کہ جن آلام اور تکالیف کی متحمل عورت ہوتی ہے، مرد اس قدر نہیں ہو سکتا۔ یہ ظاہر فرق بتلا رہاہے کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف تر ہے۔''

قوت ادراک کا اصلی مرکز انسان میں بھیجا ہے۔اسی کی کمی اور زیادتی اور ضعف و قوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دارومدار ہے۔ لیکن جب علم سائیکلوجی کے تجارب پیش نظر رکھ کر، ہم غور کرتے ہیں تو اس میں بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہے۔ علم مذکور نے ثابت کر دیاہے کہ عورت کے ''بھیجے'' اور مرد کے ''بھیجے'' میں مادۃ اور شکلا سخت اختلاف ہے۔ مرد کے بھیجے کا اوسط عورت کے بھیجے سے سوڈرام زیادہ ہے۔اگر کوئی اس کے جواب میں کہے کہ یہ زیادتی مرد اور عورت کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیوں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مرد کے بھیجے کی مقدار اس کی جسمانی حالت سے، وہ نسبت رکھتی ہے، جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہے، مگر عورت کا ''بھیجا'' اس کی جسمانی قوت سے چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتاہے۔اس سے ظاہر ہوتاہے کہ اگر عورت کے ''بھیجے'' کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہے تو مقابلہ یہ اختلاف کیوں پایاجاتاہے۔؟

علاوہ اس کے عورت کے سر کے ''بھیجے'' میں خم و پیچ نہایت کم ہیں اور اس کے پردوں کا نظام بھی نامکمل ہے۔ علمائے سائیکلوجی نے اس اختلاف کو ان دونوں جنسوں کے ممیزات میں ایک اہم قرار دیاہے۔

اسی طرح مرد اور عورت کے بھیجوں کے جوہر سنجابی میں بھی سخت اختلاف پایاجاتاہے، جوہر سنجابی قوت ادراک کا نقطہ اور مرکز ہے، اس لئے یہ اختلاف کوئی معمولی اختلاف نہیں ہے۔ (عورت اور مرد کے درمیان حیاتیاتی اور طبعی فرق کی مزید تفصیلات مصر کے مصنف فرید وجدی کی کتاب ''عورت اور اسلام'' میں ملاحظہ ہو جس کا اردو ترجمہ مولانا ابو الکلام آزاد نے کیاہے)۔

ان تفصیلات سے معلوم ہوتاہے کہ قدرت نے دنیا کے نظام کو چلانے کے لئے عورت اور مرد کے لئے جداگانہ دائرے اور ایک دوسرے سے الگ فرائض اور ذمہ داریاں عائد کی ہیں ۔اس مقصد کے لئے عورت کو جن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، وہ اس کے اندر ودیعت کر دی ہیں اور مرد کو جو صلاحیتیں درکار تھیں، وہ ان کی جسمانی ساخت میں رکھ دی ہیں۔ چونکہ مرد اور عورت زندگی کے دو پہیے ہیں۔ دونوں کے تعاون کے بغیر زندگی کی گاڑی نہیں چل سکتی تھی، اس لئے قدرت نے ان دونوں کے اندر ایک دوسرے کے لئے کشش بھی رکھ دی۔ تمدن کے ارتقاء کا خود یہ تقاضا ہے کہ عورت اور مرد کی کشش کا یہ تعلق ایک کے اندر رہے۔ اس دائرے سے تجاوز نہ ہو۔اس دائرے سے تجاوز کے نتیجہ میں جو نقصان ہو سکتاہے، وہ یہ ہے کہ معاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے۔اور تمدن کی ساری ترقی رک جائے۔ ماضی میں بیشتر متمدن قومیں اسی وجہ سے زوال کا شکار ہوئیں۔

اسلام نے انسانی فطرت کے اسی بنیادی اصول کو پیش نظر رکھ کر عورت اور مرد کے لئے الگ الگ دائرہ کار مقرر کیاہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''عورت جب گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کے ساتھ ہو جاتاہے۔ایک اور حدیث میں ہے کہ جہاں غیر محرم عورت اور مرد تنہا ہوتے ہیں، وہاں تیسرا شیطان ہوتاہے۔

انسانی فطرت اور اسلام کی تعلیمات کو نظرانداز کرنے کی وجہ سے آج مغربی معاشرے ہمارے لئے عبرت کا باعث بن چکے ہیں۔ ساری ترقی کے باوجود عورت اور مرد کا سکون

غارت ہو چکا ہے۔ان کی زندگیوں کی تلخیوں کے واقعات پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ یہ زندگی ایسی ہے جو موت سے بھی بدتر ہے۔ چنانچہ خوشحال مغربی ملکوں میں خودکشی کا رجحان سب سے زیادہ ہے۔

انسان دنیا میں محدود توانائی لے کر ایا ہے، اس توانائی سے اسے سارے کام سرانجام دینے ہوئے ہیں، لیکن جنسی عمل کے مسلسل تکرار سے توانائی کا بہت بڑا حصہ جنسی عمل میں ہی صرف ہونے لگتا ہے جس سے دوسرے کاموں کو سرانجام دینے کے لئے توانائی کا انتہائی معمولی حصہ باقی رہتا ہے، اس طرح جنسی عمل میں محویت کی حامل قوم جلد ہی زوال کا شکار ہونے لگتی ہے، اس بات کو ایک مغربی مصنف نے بہت اچھی طرح سے واضح کیا ہے۔

یہاں اس کا تفصیلی حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی کے ڈاکٹر (Jdeemium) نے دنیا کے مختلف علاقوں میں آباد ۸۰ پرانے قبیلوں کے لوگوں کی زندگی کا مطالعہ کیا، اس مطالعے کے بعد موصوف نے ۱۶، مہذب قوموں کے سماج کا بھی مطالعہ کیا، اس تحقیق کو انہوں نے اپنی کتاب (Sex culture) میں نہایت سلیقے سے پیش کیا ہے، وہ کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ''میں تحقیقات کے بعد جس نتیجہ پر پہنچا ہوں، مختصراوہ یہ ہے کہ ہر انسانی گروہ کا دارومدار دو چیزوں پر ہوتا ہے، ایک ان کا اجتماعی نظام، دوسری وہ حاصل شدہ توانائی جو ان کو ان قوائد اور پابندیوں کے نتیجہ میں حاصل ہوتی ہے، جو پابندیاں انہوں نے اپنی جنسی خواہشات پر عائد کی ہوتی ہیں (صفحہ ۱۷) وہ مزید لکھتا ہے، اگر آپ کسی قوم کی تاریخ میں یہ دیکھیں کہ کسی وقت اس کی تمدنی سطح بلند ہو گئی ہے، یا تمدنی سطح پست ہو گئی ہے، تو تحقیق سے معلوم ہو گا، کہ اس نے اپنے جنسی تعلقات کے ضوابط میں تبدیلیاں پیدا کی ہیں، جس کا نتیجہ اس کے تمدنی سطح کی بلندی یا پستی کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ (صفحہ ۲، ۳)

۸۰ قبیلوں کے تمدنی سطح کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ جس نتیجے پر پہنچا ہے، وہ یہ ہے۔

(الف) جن قبیلوں نے شادی سے پہلے جنسی خواہشات کی بے لاگ آزادی دی ہوئی تھی، وہ تمدن کے پست سطح پر پہنچ چکے تھے۔

(ب) جن قبیلوں نے نکاح سے پہلے جنسی تعلقات کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ پابندی عائد کی تھیں، وہ تمدن کے درمیانہ درجہ پر فائز تھے۔

(ت) تمدن کی بلند سطح پر وہ قبیلے فائز تھے، جو شادی کے وقت جنسی آلودگیوں سے محفوظ رہے، جن کے ہاں نکاح سے پہلے یہ عمل گناہ شمار ہوتا رہا ہے۔ (صفحہ ۲۱۱)

موصوف مزید لکھتا ہے ''نفسیاتی تحقیق کے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کہ جنسی تعلقات پر پابندی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قوم کے فکر و عمل کی قوت وصلاحیت بڑھ جاتی ہے مگر جو قوم اپنے مردوں اور عورتوں کو جنسی خواہشوں کی تسکین کے لئے آزاد چھوڑ دیتی ہے، اس میں فکر اور عمل کی توانائی ضائع ہو جاتی ہے، چنانچہ رومیوں کے ساتھ یہی ہوا، رومی حیوانوں کی طرح قوائد و قوانین اور رکاوٹوں کے بغیر (جنسی خواہشات کی) تسکین کرتے تھے، چنانچہ ان کے ہاں دوسرے کسی کام کے لئے طاقت ہی باقی نہ رہی، ان کا جسم بالکل کمزور ہو گیا۔ (صفحہ ۳۷۸)

موصوف اپنی کتاب کے آخر میں لکھتا ہے ''اگر کوئی معاشرہ چاہتا ہے کہ اس کی طاقت زیادہ دیر تک بلکہ ہمیشہ قائم رہے، اور بڑھتی رہے، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے اندر نئی زندگی پیدا کرے، یعنی اپنے مردوں اور عورتوں کو قانونی مساوات دے، اس کے بعد معاشرتی اور معاشی نظام میں ایسی تبدیلیاں برپا کرے، جس سے سماج میں جنسی اختلاط کے مواقع زیادہ دیر تک بلکہ ہمیشہ کے لئے بالکل محدود ہو جائیں، اس سے سماج کا رخ ثقافتی اور تمدنی ارتقاء کی طرف گامزن ہو جائے گا نیز وہ شاندار مستقبل کی طرف رواں دواں ہو گا اور تمدن اور تہذیب کے ایسے بلند مقام پر پہنچ جائے گا، جس پر آج تک کوئی نہیں پہنچ سکا ہے۔ (صفحہ ۴۳۲)

عورت کی آزادی اور عملی میدان میں مرد کے ساتھ کام کرنے کی تحریک یہ دراصل مغربی ملکوں اور قوموں کی تحریک ہے۔ اٹھارویں صدی میں جب مغربی معاشروں میں جاگیرداری نظام کی جگہ سرمایہ داری نظام نے لینا شروع کی تو سرمایہ داروں کو سستی مزدوری کے لیے عورت کی ضرورت لاحق ہوئی۔ اس کے بعد پہلی عالمگیر جنگ میں لاکھوں افراد کے ہلاک ہونے سے عورتوں کے لیے عملا روزگار کا مسئلہ بھی پیدا ہوا۔ نیز مغربی دانشوروں اور فلاسفروں کے انسان اور کائنات کے خالص مادی فکر اور انسانی تخلیق کی جانورانہ توجیہ نے پہلے مغربی معاشروں میں مذہب اور اخلاقی اقدار سے بغاوت کے رجحانات پیدا کر دیئے تھے۔ ان اسباب نے مل ملا کر وہاں عورت کو مکمل آزادی کے راستے پر ڈال دیا۔ لیکن ہمارا معاملہ تو مغرب سے سراسر مختلف ہے، لیکن بد قسمتی سے انگریز نے دورانِ حکمرانی یہاں جو نظام قائم کیا تھا۔ اس نظام نے ہمارے ذہین اور موثر طبقات کو مغربی تہذیب کا دلدادہ بنا دیا ہے۔ پھر پاکستان میں مخلوط نظام تعلیم، سرمایہ داروں کی کوششوں اور ابلاغ کے جدید ذرائع سے عریانی و فحاشی کی اشاعت نے ہمارے ہاں بھی بڑے پیمانے پر مادر پدر آزادی اور عورت کے حسن سے متمتع ہونے کے رجحانات پیدا کر دیئے ہیں۔ مذکورہ اسباب کی وجہ سے چونکہ ہمارا سارا تہذیبی ڈھانچہ زوال سے دوچار ہے، اس لیے اس تہذیبی ورثے کے ساتھ ہماری روایات، اقدار، افکار وغیرہ سب کے سب جدیدیت کے طوفان کی نظر ہیں۔ صبر، شکر، قناعت، توکل، تھوڑے پر راضی رہنے اور سادگی سے زندگی بسر کرنے اور حیات کے مشکل مسائل کو صبر کے ساتھ برداشت کرنے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کی مدد کرنے کی باتیں، اب تصورات بن کر رہ گئی ہیں، عورت کی آزادی کا مسئلہ دراصل ہماری تہذیب کی بنیادیں متزلزل ہونے کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوا ہے، اگر اپنی تہذیب کی بقا و تحفظ کے لیے فکر دامن گیر نہ ہوا اور اس کے لیے اجتماعی کوششیں نہ ہوئیں تو خطرہ ہے کہ ہم زوال کے ایسے عمیق غار میں گر جائیں گے، جہاں سے نکلنا دشوار ہو گا۔

پیر ذوالفقارؒ

پیر ذوالفقار صاحب بھی انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ پیر ذوالفقار صاحب اس دور میں نقشبندی سلسلہ کے سب سے بڑے بزرگ تھے، انہوں نے سلسلہ کو متعارف کرانے اور لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور مراقبہ کی طرف راغب کرنے کے لئے جان توڑ مجاہدوں سے کام لیا، اندرون ملک کے علاوہ دنیا بھر کے دورے کرتے رہے، ان کے مریدوں کا وسیع حلقہ ہے۔

موصوف نے تصنیف و تالیف کے محاذ پر بھی کام کیا ان کی تقاریر بھی آتی رہیں، انہوں نے دینی مدرسہ بھی قائم کیا تھا، غرض کہ موصوف نے مختلف محاذوں پر سرگرمی سے دینی اور روحانی طور پر کام کیا اور انہوں نے اپنے پیچھے بہت سارے خلیفے چھوڑے ہیں، جو ان شاءاللہ ان کے مشن کو جاری رکھیں گے۔

پیر صاحب کی شخصیت میں بعض چیزیں ایسی تھیں جو صحیح اہل اللہ سے جوڑ نہیں کھاتی تھیں، ہمیں جن بزرگوں کی صحبت حاصل تھیں، ان کی شخصیت اس طرح کی چیزوں سے محفوظ تھی، مثلا ظاہری طور پر شان و شوکت کا مظاہرہ ہونا، خلافت جو بہت بڑی امانت ہے، اسے عام کرنا اور سینکڑوں سے متجاوز افراد کو خلافت کے منصب پر فائز کرنا وغیرہ۔

حقیقی بزرگ اس طرح کی ساری چیزوں سے انتہائی محتاط رہتے تھے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پیر صاحب کی قبر کو روشن کرے، جنت الفردوس نصیب فرمائے اور ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

محمد موسیٰ بھٹو

مغربی تہذیب کو مادی تہذیب

بنانے میں فلاسفروں کا کردار

مغرب مادی تہذیب کے غلبہ سے پہلے عیسائی مذہب کے تابع تھا، اور عیسائیت ہی اہل مغرب کا مذہب تھا، عیسائی مذہب سے خالص مادی تہذیب کی صورت اختیار کرنا، یہ اہل مغرب کا سب سے بڑا المیہ ہے، زیر نظر مضمون میں مختصر اس کا ذکر کیا جاتا ہے، ہمارے ہاں بھی دین و مذہب سے دوری اور مادی تہذیب سے قربت جس رفتار سے ہوتی جارہی ہے، اس سے بڑا خطرہ ہے کہ نئی نسل کی آبادی کا بڑا حصہ کہیں مادی تہذیب کا حصہ نہ بن جائے۔ **(مرتب)**

مغربی تہذیب کو مادہ پرست تہذیب بنانے میں ان افکار و نظریات نے بڑا کردار ادا کیا ہے جو مغربی فلاسفروں اور ماہرین کی طرف سے پیش کے گئے، جن افکار کو عوام میں غیر معمولی طور پر پذیرائی حاصل ہوئی۔

یہ افکار و نظریات دراصل رد عمل تھے، عیسائی قیادت کے ان مظالم کا، جو انہوں نے اپنے دور حکومت میں سائنسی تحقیق کو کفر قرار دے کر سائنسدانوں کو سزائیں دیں اور موت کے گھاٹ اتار دیا، ایک آدھ سائنسدان نہیں، بلکہ سینکڑوں سائنسدانوں کا انہوں نے یہ حشر کیا، اس کے رد عمل میں فلاسفروں اور اہل دانش کی طرف سے مذہب کو مکمل طور پر مسترد کرکے، مادہ پرستی پر مشتمل نظریات پیش کئے، جس سے مغربی تہذیب بے خدا اور نفس پرست تہذیب کی حیثیت سے سامنے آئی۔

عیسائی قیادت کا یہ کردار بڑا گھناؤنا کردار تھا کہ سائنسی تحقیق جو اشیائے کائنات میں موجود حقیقت پر مبنی تھی، اسے عیسائی مذہب کی تعلیمات کے خلاف بغاوت قرار دے کر اہل سائنس کے خلاف انہوں نے مارا ماری شروع کردی۔

چونکہ مغرب میں صنعت کاری کا عمل شروع ہوچکا تھا، جس سے صنعت کار اور متوسط طبقہ طاقتور حیثیت سے سامنے آیا تھا، اس لئے صنعتکار اور متوسط طبقہ نے اہل سائنس کی سرپرستی کی اور عیسائی قیادت کو فنا کے گھاٹ اتار دیا اور ریاست کی تشکیل بے خدا تہذیب کی بنیادوں پر ہونے لگی۔

جن فلاسفروں نے مذہب کو رد کرکے مادہ پرستی کی بنیاد پر نظریات پیش کئے، ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ان ماہروں کے نمائندوں میں فرائیڈ، میگڈوگل اور ایڈلر شامل ہیں، ان تینوں فلاسفروں کے افکار میں سارے ماہرین کے افکار کا نچوڑ شامل ہے۔

فرائیڈ نے کہا کہ میں نے انسانی نفسیات کا وسیع مطالعہ کیا ہے، اس وسیع مطالعہ سے مجھ پر یہ بات واضح ہوئی ہے کہ انسان سراپا جنسیت سے عبارت ہے، اس میں سب سے زیادہ طاقتور پیدائشی داعیہ (تقاضا) جنسی جذبات کی تکمیل ہے، اس کی سرگرمیوں کا سارا محور یہی ہے، یہ داعیہ ایسا ہے جو انسان کا پیدائشی طور پر نصب العینی تقاضا ہے، اس لئے جنسی خواہش کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالنی چاہئے، جو مرد و عورت جس سے بھی اپنی جنسی خواہش پوری کرنا چاہتا ہے، اسے ایسا کرنے دیا جائے، ورنہ ذہنی بیماریوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوگا۔

مغربی تہذیب میں جنسی ہیجان خیزی کا جو طاقتور رجحان فروغ پذیر ہوا ہے وہ فرائیڈ کی اس تحقیق ہی کا نتیجہ ہے، آج فرائیڈ کی شخصیت ہر مغربی فرد کے دل میں سمائی ہوئی ہے، وہ اگر نام سے فرائیڈ کو نہ بھی جانتا ہو، لیکن اس کا جنسی اشتعال والا نظریہ اس کے دل و دماغ میں سمایا ہوا ہے۔

انسان کو سراپا جنس زدگی سے عبارت قرار دینا، یہ انسان جیسی اشرف مخلوقات کو پستی میں مبتلا کرنا ہے، اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہے کہ انسان میں جنسی جذبہ طاقتور صورت میں موجود ہے، لیکن یہ تقاضا نصب العینی حیثیت رکھتا ہے یعنی انسان کے دوسرے سارے جذبات اور تقاضوں پر حاوی ہے، یہ حقیقت کے سراسر منافی ہے، انسان میں پیدائشی طور جو جذبہ طاقتور ترین ہے وہ اللہ سے والہانہ محبت کا جذبہ ہے، اس جذبہ کی تسکیں سے دوسرے سارے جذبات میں ٹھہراؤ آنے لگتا ہے، یقیناً جنسی جذبہ کو اہمیت حاصل ہے، لیکن کوئی بھی مذہب بے لاگ جنسی جذبہ کے اظہار کی اجازت نہیں دیتا، اس لئے کہ اس سے خاندانی نظام تباہ ہوتا ہے۔

دوسرے مغربی فلاسفر میکڈوگل ہیں، جس نے کہا کہ میری ساری زندگی کی تلاش وجستجو کا حاصل یہ ہے کہ انسان بنیادی طور پر حیوان کی ترقی یافتہ صورت ہے، اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، حیوان کی جو ضروریات ہوتی ہے، انسان کی وہ ضروریات زیادہ ترقی یافتہ صورت میں ہوتی ہیں۔

میکڈوگل کے اس نظریے سے انسان کی حیوانی صورت کو تقویت ملی، اور اہل مغرب حیوانی جذبات کی تکمیل ہی کو انسان کا مقصود سمجھنے لگے۔

ایڈلر کا کہنا ہے کہ میری ساری زندگی کی تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ انسان میں جو سب سے طاقتور نصب العینی جذبہ موجود ہے وہ ایک دوسرے پر بالادستی حاصل کرنے کا جذبہ ہے، ہر انسان اس جذبہ سے مغلوب ہے، اس لئے یہ پیدائشی طور پر طاقتور جذبہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ وحی اور روح کے انکار کے بعد اسی طرح کے غیر فطری، حقیقت سے بعید اور حیوانی نوعیت کے نظریات ہی سامنے آسکتے ہیں، اور وہ مقبول ہو کر عملی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

مغربی تہذیب سے وابستہ لوگوں میں دعوتی کام کی ضرورت

مغربی تہذیب سے وابستہ لوگ اس اعتبار سے قابل رحم ہیں کہ ان کی نہ تو خاندانی، اور گھریلو زندگی بہتر ہے اور نہ ہی وہ ذہنی اور نفسیاتی اعتبار سے مستحکم ہیں، اس کا سبب وحی کی تعلیمات اور دل اور روح کے تقاضوں سے ناواقفیت اور دوری ہے، وحی وہ مستحکم بنیاد ہے، جس سے انسانی شخصیت کی ساری انفرادی واجتماعی ضروریات کو پورا کیا گیا ہے، دل اور روح وہ قوتیں ہیں، جو اللہ کے انوار کو سمانے کا ذریعہ بھی ہیں تو ساتھ ساتھ نفس کی قوتوں کو پامال کرنے کا موجب بھی۔ جو قومیں وحی اور دل اور روح کے تقاضوں سے ناآشنا اور دور ہیں، ان کی زندگی کا کوئی رخ اور پہلو بھی صحیح ہو سکے دشوار ہی نہیں، محال ہے۔

مغربی قوموں کی معاشی خوشحالی ایسے ہے جیسے جسم کے ظاہر کو اچھے لباس سے ملبوس کیا جائے، جب کہ باطن سارے کا سارا ناپاکیزہ ہو۔

مغربی قوموں میں بہت سارے لوگ اضطراب کے انگاروں پر لیٹ رہے ہیں اور وہ حقیقت کی تلاش میں ہیں، اگرچہ نشہ کے کثرت سے استعمال سے زیادہ لوگ اس سلسلے میں بے حسی کی حالت میں مبتلا ہیں، تاہم حقیقت کے متلاشی افراد بھی موجود ہیں، جو تسلسل کے ساتھ اپنی ذاتی کوششوں سے اسلام قبول کر رہے ہیں، لیکن ضرورت ہے کہ مغرب میں دعوتی کام کے لئے مسلمان حکومتیں اور مسلمانوں کے ذہین طبقات اپنا کردار ادا کریں جو مسلمان کی حیثیت سے ان کی ذمہ داری بھی ہے، آخرت میں اس سلسلہ میں ان سے محاسبہ ہوگا کہ توحید رسالت اور آخرت کا عقیدہ تمہارے پاس تھا، تم نے اسے ان عقائد سے محروم قوموں تک دین کی صحیح دعوت کیوں نہیں پہنچائی۔

مغرب میں دعوتی و علمی اداروں کو مستحکم کرنے کی ضرورت ہے، چونکہ مغرب میں اب تک کتاب پڑھنے کی روایت پوری طرح موجود ہے، اس لئے ان کی ذہنی سطح کے مطابق لٹریچر تیار کر کے ہر فرد تک پہنچانا چاہئے، مسلمان حکومتوں اور مسلمان مالداروں کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے، وہ اس سلسلے میں باصلاحیت دردمند افراد کو دوسرے کاموں سے فارغ کر کے اس کام پر لگا سکتے ہیں اور انہیں ضرور ایسا کرنا چاہئے، ورنہ مسلمانوں کو اس کی ایک سزا تو یہ ملے گی کہ مغربی قومیں انہیں غلام بناتی رہیں گی، ان سے آزادی کی حقیقی نعمت سلب کرتی رہیں گی اور ان پر اپنی پالیسیاں مسلط کرتی رہیں گی۔

مغربی قوموں کی طرف سے یہ سزا اس لئے بھی مل رہی ہے کہ ان کے پاس اللہ کا جو حقیقی پیغام ہے اور ابدی زندگی کے عذاب سے بچانے کا جو پیام ہے، مسلمان اس پیام کو چھپا رہے ہیں اور ان تک پہنچانے کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر رہے ہیں۔

سچ کہا گیا ہے کہ جو اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کرتے، ان کی ضروریات پوری نہیں کی جاتی اور انہیں مختلف طریقوں سے پامال کیا جاتا ہے۔

اگرچہ مختلف افراد کی طرف سے انفرادی طور پر مغرب میں علمی و دعوتی کام ہو رہا ہے، لیکن یہ بہت ناکافی ہے، اس کے لئے ملت کے وسائل صرف کئے جائیں تو اس کے حیرت انگیز نتائج ظاہر ہوں گے کہ مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھنے کے بجائے اپنا سب سے بڑا محسن سمجھا جائے گا، اگرچہ دعوتی کام پوری دنیا میں کرنے کی ضرورت کہ دنیا کفر کی حالت میں موت سے دوچار ہو رہی ہے، لیکن مغرب میں خصوصی اہمیت سے اس کام کی ضرورت ہے۔

احسان الحق شاہ ہاشمی

یہودیوں کا کردار
قرآن کی نظر میں

یہود، بنی اسرائیل کی ایک شاخ تھی جو بعد میں افرادی قوت بن کر ابھری تو باقی اولاد اسرائیل ان میں عقیدتاً ضم ہو کر اسی نام سے مشہور ہو گئی اور یہود و بنی اسرائیل سے ایک ہی قوم مراد لی جانے لگی۔ یہود وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے بڑے انعامات کیے اور صدیوں تک ان میں سلسلۂ نبوت جاری رکھا، ان میں آنے والے انبیاء کا تذکرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَاۗءِيْلَ (مریم: ۵۸)

''اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے۔''

علاوہ ازیں ان میں تین اصحاب شریعت پیغمبر آئے اور تین مبسوط الہامی کتابیں، تورات، زبور اور انجیل ان میں اتادی گئیں، تبھی تو ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ الْكِتٰبَ (المومن: ۵۳)

''ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔''

لیکن یہ لوگ ایسے بے بہود اور اُوت ثابت ہوئے کہ نہ انہوں نے اپنے محسن رب کو معاف کیا، نہ اپنے نجات دہندہ رسول موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو معاف کیا اور نہ ہی آسمان سے آنے والی رشد و ہدایت سے معمور کتابوں کو معاف کیا۔

اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخیاں

مصنوعی الٰہ کا مطالبہ:

جب موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون جیسے ظالم شخص کو نظروں کے سامنے غرق کر کے انہیں آزادی سے ہمکنار کیا تو کچھ دُور جا کر بت پرست کو دیکھ کر بولے:

يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الاعراف: ۱۳۸)

''اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی ایسا ہی معبود بنا جیسے ان کے معبود ہیں۔''

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ (الاعراف: ۱۳۸)

''تم تو بالکل جاہل قوم ہو۔''

رؤیت الٰہی کا بے باک و گستاخانہ مطالبہ:

جن موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کی طرف سے ملنے والی ہدایات کے بارے میں آگاہ کیا تو بولے:

يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً (بقرۃ: ۵۵)

''اے موسیٰ کھلے عام اللہ کو دیکھے بغیر ہم ہر گز تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے۔''

اللہ تعالیٰ کو قلاش اور فقیر کہنا:

خاتم الانبیاء ﷺ نے جب اللہ کی طرف سے زکوٰۃ کے احکامات سنائے تو یہ لوگ اللہ کی شان میں ہرزہ سرائیاں کرنے لگے:

اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ (آل عمران: ۱۸۱)

''اللہ قلاش اور منگتا ہے، جب کہ ہم سیٹھ ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کو مفلوج کہنا:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کی ہرزہ سرائیوں میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ (المائدۃ: ۶۴)

''یہودی کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ مفلوج ہے۔''

اللہ پر صاحب اولاد ہونے کا الزام:

اللہ تعالیٰ پر صاحب اولاد ہونے کا الزام بھی انہی ناہنجاروں نے لگایا، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ (التوبۃ: ۳۰)

''یہودی بولے کہ عزیر اللہ کا بیٹا تھا۔''

یہ تو چند ایسی نازیبا باتیں ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلاواسطہ کہہ ڈالیں اور بالواسطہ جو گستاخیاں کیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں!

رسولوں کے بارے میں موشگافیاں

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام تراشی:

ان نامعقولوں نے اپنے نجات دہندہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی معاف نہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام شرم وحیا کے پیکر تھے جب کہ یہود تو من حیث القوم ایسے تھے کہ گویا کبھی حیا کے قریب سے بھی نہیں گزرے۔ جب کبھی نہانے کی ضرورت محسوس کرتے تو سر عام کپڑے اتار کر پھینکتے اور ننگ دھڑنگ ہو کر نہانا شروع کر دیتے۔ ان کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام نہانے سے پہلے پردے کا معقول اہتمام فرماتے اور چھپ کر نہاتے۔ اب بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت طیبہ کے نمونے پر عمل پیرا ہونے کے انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جسمانی عیب کا الزام لگا دیا کہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰ اپنا جسمانی عیب چھپانے کی خاطر چھپ کر نہاتے ہیں!

انہوں نے اس الزام کے تحت حضرت موسیٰ کو اس قدر تنگ کیا کہ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب انہیں دے دیا۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کے لیے گئے، ایک محفوظ مقام پا کر انہوں نے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے اور خود نہانے

لگ گئے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر ایک طرف لڑھکنے لگا، حضرت موسیٰ اپنے کپڑوں کی فکر میں آگے بڑھے تو پتھر کپڑوں کو ساتھ لپٹ کر تیزی سے بھاگنے لگا، موسیٰ علیہ السلام نے بھی دوڑ لگائی اور پتھر کو آواز دیتے ہوئے فرمایا: ''ثوبی حجر، ثوبی حجر!'' تھوڑے سے فاصلے پر کچھ یہودی مجھیرے بیٹھے تھے، آواز سن وہ اٹھ کھڑے ہوئے، پتھر بھی ان کے پاس جا کر رک گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی پریشانی اور بے خیالی میں وہاں پہنچ گئے اور پتھر سے اپنے کپڑے اتار کر زیب تن کر لیے، مگر اس سے پہلے ان الزام تراش یہودیوں نے حضرت موسیٰ کو عریاں حالت میں دیکھ لیا کہ یہ پیکر شرم وحیا شخص ہیں نہ کہ جسمانی طور پر معیوب! موسیٰ علیہ السلام کو اپنے قوم کے اس غیر اخلاقی رویے سے سخت تکلیف پہنچی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کو ایسی اخلاق سے گری ہوئی حرکات سے ہمیشہ کے لیے باز رہنے کی تلقین کی اور یہود کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔ (الاحزاب: ٦٩)

''اے اہل ایمان ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس اللہ نے اسے ان کے لگائے ہوئے الزام سے بری ثابت کیا کیوں کہ وہ اللہ کے نزدیک بڑی عزت والے تھے۔'' (صحیح بخاری: ۳۴۰۴۔ وغیرہ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں ارض مقدس کو فتح کرنے کی دعوت دیتے ہوئے پیشگی بشارت بھی سنائی کہ وہ پاک سرزمین پر اللہ نے تمہارے مقدر میں لکھ دی ہے، یعنی فتح تمہاری ہی ہو گی۔ یہ سن کر بولے:

يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۠ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ۔ (المائدۃ: ۲۲)

''اے موسیٰ اس علاقے میں بڑی جابر قوم آباد ہے، لہٰذا جب تک وہ وہاں سے نکل نہیں جاتے تب تک ہم اُدھر کا رخ کرنے والے نہیں، ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو پھر (بہادری کے ساتھ!) وہاں چلے جائیں گے۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اٹھو تو، جب تم ادھر چلو گے تو وہ بھاگ جائیں گے، یہ سن کر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ بولے:

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔ (المائدۃ: ۲۴)

''اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جائیں گے، اچھا تو اپنے رب کو ساتھ لے جا اور دونوں جا کر جنگ کرو، ہم تو یہی بیٹھے ہیں۔''

ان کے اس جواب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شدید صدمہ پہنچا، بولے یا اللہ میرا اپنی ذات اور اپنے علاوہ کسی پر زور نہیں چلتا تو تو ہی اب ہمارے اور فاسق قوم کے مابین تفریق فرما دے، اس پر آسمان سے آواز آئی:

فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ (المائدۃ: ۲۶)

''اچھا تو اب ان پر چالیس برس تک گھروں کو لوٹ کر جانا حرام ہے، زمین میں مارے مارے پھرتے رہیں گے، سو اب آپ نے ان پر ترس نہیں کھانا۔''

حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ بد تمیزی اور بچھڑے کی پوجا:

یہود اللہ ذوالجلال والاکرام کو چھوڑ کر ایک بے زبان و بے روح کے آگے گر پڑے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے منع کیا تو بولے:

لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى۔ (طٰہٰ: ۹۱)

''ہم اسی پر مجاور بن کر بیٹھے رہیں گے، یہاں تک کہ موسیٰ ہماری طرف واپس آئے۔''

حضرت ہارون علیہ السلام نے منع پر اصرار کیا تو ان کو قتل کرنے پہ اتر آئے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کو گمراہ ہوتے دیکھ کر تو نے ان کو روکا کیوں نہیں تو انہوں نے فرمایا:

يَا بْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ۔ (الاعراف:۱۵۰)

''اے میرے ماں کے جائے! قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر ڈالتے۔''

حضرت داود علیہ السلام پر تہمت:

اسرائیلیات کے مطابق حضرت داود علیہ السلام ایک عورت پر فریفتہ ہو گئے، جب پتا چلا کہ وہ تو شادی شدہ ہے تو اس کے خاوند ''اوریاہ'' کو بلا کر محاذ جنگ پر بھجوا کر مروا دیا اور پھر اس کے ساتھ شادی کر لی! بعض روایات میں ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے اس عورت کے ساتھ بدکاری کا ارتکاب بھی کیا! نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر اتہام:

انہی ناہنجار لوگوں نے یہ جھوٹی داستان گھڑی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جادو گر تھے اور انہوں نے اپنے تخت کے نیچے جادو کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔

حضرت مریم علیہ السلام پر الزام:

حضرت مریم پر بھی یہودیوں نے ان کے کردار پر ناپاک حملے کیے، جن کر توتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان بدنصیبوں پر لعنت بھیجی ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا۔ (النساء:۱۵۶)

''اور ان کے کفر اور مریم پر بہتان لگانے کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت بھیجی۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہفوات:

حضرت مسیح علیہ السلام پر ان ظالموں نے بڑے بڑے الزامات لگانے کے بعد انہیں اللہ کا رسول مان کر بھی قتل کرنے کا بھیانک اقرار کرتے ہوئے کہا:

وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (النساء:۱۵۷)

''اور بولے کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا تھا۔''

صرف یہی نہیں بلکہ انہیں مصلوب کرنے کا اعلان کرتے ہوئے اپنی غلیظ زبان سے کہا کہ لعنتی شخص ہی سولی پر چڑھتا ہے!

الہامی کتابوں کی توہین:

ان لوگوں نے اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں کمی بیشی کر کے اس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا، قرآن مجید میں بیسیوں مقامات پر ان کے یہ کالے کرتوت بیان کیے گئے ہیں:

يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔ (المائدۃ:۱۳)

''وہ باتوں کو بے محل بیان کرتے۔'' یعنی مطلب کچھ ہوتا اور اخذ کچھ کرتے۔

دوسرے مقام پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا:

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۔ (آل عمران:۷۸)

''ان میں سے ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اپنی زبانوں کو لچکا کر یوں ظاہر کرتا ہے کہ یہ بات اللہ کی کتاب میں سے ہے جب کہ وہ بات اللہ کی کتاب میں سے نہیں ہوتی اور کہتے ہیں کہ منزل من اللہ ہے جب کہ وہ منزل من اللہ نہیں ہوتی۔''

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ۔ (البقرۃ۷۹)

''تو خرابی ہے ان کے لیے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اسے چند ٹکوں کے عوض بیچ سکیں، سو خرابی ہے ان کے ہاتھوں کی لکھائی پر اور ان کی کمائی پر۔''

یہود تاریخ کے آئینے میں

قرآن پاک کی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کئی بار شکست وریخت سے دوچار ہوئے، اغیار کے ہاتھوں مظالم اور رسوائی کا شکار ہوئے۔ ایک تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی آمد سے پہلے فراعنہ کے ہاتھوں بڑے طویل عرصے تک یہ لوگ جور وجفا کی زد میں رہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ایک آزاد قوم کیوں کر فراعنہ کے زیر تسلط آئی، یہ قانون قدرت ہے کہ جب کوئی قوم یا ملت صراط مستقیم کو چھوڑ دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان سے بدتر لوگوں کو ان پر مسلط کر کے ان کو سبق سکھاتا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل پر خدائی کے دعوے دار فراعنہ کو مسلط کر دیا تاکہ انہیں پتا چلے کہ اصل اور سچا معبود ان پر کتنا مہربان تھا اور اب خدائی کے جھوٹے دعوے دار کے ظلم وستم کو دیکھ کر میری قدر کا انہیں احساس ہو۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد سے پہلے اور ان کے ہوتے ہوئے بھی جہاں تک ہو سکا ان پر ظلم وستم کی کوئی کسر نہ چھوڑی، ان کے اپنے الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (الاعراف ۱۲۹)

''بولے ہم تو مصیبت میں رہے آپ کی آمد سے پہلے بھی اور آپ کے آجانے کے بعد بھی۔''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد اللہ نے ان کو آگاہ کر دیا کہ تم لوگ زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور سرکشی کرو گے۔ سورت بنی اسرائیل میں ہے:

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل ۴۔۵)

یعنی ان کو بذریعہ کتاب آگاہ کر دیا کہ تم لوگ زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور سرکشی کرو گے، جب پہلے وعدے کی تکمیل کا وقت آیا تو ہم نے ان پر اپنے بڑے ہی سخت لوگ مسلط کر دیے جنہوں نے وقت آیا تو تمہارے گھروں میں گھس کر اینٹ سے اینٹ بجادی اور انہیں دربدر کر دیا اور یہ ایسا وعدہ تھا جو پورا ہو گیا۔

پہلے وعدے کی تکمیل کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں سنبھلنے اور رجوع کرنے کا موقع دیا مگر یہ اپنی ٹیڑھی روش پر قائم رہے۔ پھر کیا ہوا، قرآن کہتا ہے:

فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۔ (بنی اسرائیل: ۷)

یعنی جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو تم ایسے لوگوں کے قابو میں آگئے جنہوں نے تمہاری شکلوں کو بگاڑ کر غم زدہ کر دیا اور ایسے ہی مسجد میں داخل ہو گئے جیسے پہلے داخل ہوئے تھے اور ہر چیز کو تہس نہس کر دیا۔

اس بیان کے بعد فرمایا کہ میں نے یہود سے کہا:

عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۔ (بنی اسرائیل: ۸)

''قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر مہربان ہو جائے، لیکن اگر تم نے پہلے جیسے کرتوت کیے تو ہم بھی پہلے جیسا سلوک کریں گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری غیر متبدل کتاب قرآن مجید میں یہ اعلان دہرایا:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ۔ (الاعراف: ۱۶۷)

''اور تیرے رب کا اعلان ہے کہ وہ ان (یہودیوں) پر روز قیامت تک ایسے بندے مسلط کرتا رہے گا جو اُنہیں دردناک عذاب دیتے رہیں گے۔''

اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، اس نے یہودیوں کے متعلق اپنے اعلان کے مطابق ہی سلوک کیا اور وقفے وقفے سے ان پر ایسے لوگوں کو حاوی کرتا رہا جنہوں نے ان کو بدعہدیوں، بداعمالیوں، بے وفائیوں اور ان کی شرارت طبع کی بنا پر عبرت ناک سزائیں دیں، کبھی ان کو زبردستی روس سے نکالا گیا جس سے ان کا بہت سا جانی نقصان ہوا تھا، جرمنی میں ہٹلر کے دور میں ایک بڑی تعداد میں یہودی قتل کیے گئے، دنیا کے دیگر مقامات سے بھی ان کی بے دخلی عمل میں آئی، اب یہ اس جگہ آکر بیٹھے ہیں جس کے بارے میں مخبر صادق المصدوق ﷺ نے اللہ کی جانب سے سچی اطلاعات ہمیں پہنچادی ہیں۔ بمقام ''لد'' موجودہ نام نہاد اسرائیل کا ائیر بیس ہے جہاں ان کا آخری سرخیل ولیڈر یک چشم دجال سچے مسیح ابن مریم کے ہاتھوں واصل جہنم ہوگا۔

ابلیس کے ساتھ مشابہت:

ہمیں ابلیس لعین پر حیرت ہوتی تھی کہ اس نے ملائے اعلیٰ میں رہنے، ملائکہ کو نہ صرف دیکھنے بلکہ ان کے ساتھ قیام پذیر ہونے، جنت ودوزخ کے اوپر عین الیقین ہو جانے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کے باوجود کیوں بغاوت کی، کیوں دوزخ مول لے لی اور کیوں ابدی لعنت کا طوق گلے میں ڈال لیا! مگر اب اس سے زیادہ تعجب یہود پر ہوتا ہے جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی حقانیت کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں، آپ ﷺ کی بتائی ہوئی ہر ایک پیش گوئی کو درست اور حرف بہ حرف پورا ہوتے دیکھنے کے باوجود نامرادی قبول کیے ہوئے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ کی بعثت کے وقت ''لد'' ایک بیابان اور غیر معروف مقام تھا جس کے داخلی راستے (Entrance) پر آپ ﷺ نے دجال اور مسیحیت کے جھوٹے

دعوے دار کے قتل ہونے کی خبر دی تھی، وہ اپنے سر خیل کے مقتل کی اپنے ہاتھوں تیاری مکمل کر چکے ہیں، لگتا ہے کہ اب ان کے نیست و نابود ہونے میں زیادہ عرصہ باقی نہیں رہ گیا!

لاتوں کے بھوت!

مذکورہ تاریخی اور الہامی حقائق کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ''لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے'' کے مصداق یہ ''مغضوب علیہم'' اپنے ''ضالین'' ساتھیوں کے سہارے کوئی درست اور معقول بات عالمی احتجاج سے ماننے والے نہیں اور نہ ان پر کسی مذمت کرنے والے کی مذمت کا اثر ہوتا ہے کیوں کہ یہ تو پہلے ہی سے مذموم اور مقہور ہیں۔

یہود کی دلی خواہشات

طویل العمری:

یہودیوں میں زندگی کی طلب حد درجہ پائی جاتی ہے اور یہ طویل العمری کے ہمیشہ خواہاں رہے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں مرقوم ہے:

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰي حَيٰوةٍ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا۔ (البقرۃ:۹۶)

''تم تمام لوگوں میں زندہ رہنے کا سب زیادہ خواہش مند یہود اور مشرکین کو پاؤ گے، ان میں ہر ایک چاہتا ہے کہ ہزار سال تک زندہ رہے۔''

اہل اسلام کو مرتد بنانے کی شدید تمنا:

اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک اور دلی خواہش کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا۔ (البقرۃ:۱۰۹)

''اہل کتاب کی اکثریت یہ چاہتی ہے تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں''۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ۔ (آل عمران:۶۹)

''اہل کتاب میں سے ایک گروہ تمہیں گمراہ کرنا چاہتا ہے۔''

مزید فرمایا:

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً۔ (النساء:۸۹)

''وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی اسی طرح حق کا انکار کر دو جیسے وہ کافر ہیں تو تم سب ایک جیسے ہو جاؤ۔''

اس برے ارادے کی تکمیل کے لیے ان کے جتن یوں بیان فرمائے گئے:

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (آل عمران ۷۲)

''اہل کتاب میں سے ایک فریق کہنے لگا کہ اہل ایمان پر نازل ہونے والی چیز پر صبح کے وقت ایمان لے آؤ اور شام کو اس سے انکاری ہو جاؤ تا کہ وہ بھی پلٹ جائیں۔''

فحاشی کی ترویج:

جن لوگوں نے اپنے نجات دہندہ اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر فحش الزام تراشی کی، ان کی ذریت سے بھلا کس خیر کی توقع ممکن ہے! یہ لوگ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی اسی ڈگر پر قائم رہے اور مدینہ طیبہ میں خانۂ نبوت پر کیچڑ اُچھالنے کی مذموم کوشش کی۔ جس کا رد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے اہل خانہ کی عفت و عصمت کی قیامت تک کے لیے گواہی دیتے ہوئے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (النور:۱۹)

''جو لوگ اہل ایمان میں فحاشی پھیلانے کے آرزو مند ہیں ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، (کیسے ہوگا، ان کی کیفیت) اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔''

آج کے دور میں یہود دنیا میں بے حیائی پھیلانے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔ فحش گوئی اور آلاتِ موسیقی کی اشاعت و ترویج ان کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

علاازیں جھوٹ، بدعہدی، دین میں حیلہ سازی اور کتمان حق ان کی دائمی کمزوریاں ہیں جن کی تفصیلات کی ایک جھلک پیش خدمت ہے۔

یہود اور کتمان حق:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ (آل عمران:۷۱)

''اے اہل کتاب! کیوں سچ کو جھوٹ میں لپیٹ کر اور جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو!''

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ (المائدہ:۱۵)

''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارا ایک رسول آچکا ہے جو کتاب میں سے بہت سی ایسی باتوں کی وضاحت کرتا ہے جنہیں تم چھپاتے ہو اور بہت سی باتوں سے در گزر کر جاتا ہے۔''

بدعہدی:

بدعہدی ان کی سرشت میں رچ بس چکی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل اسلام اور یہود مدینہ کے مابین ایک معاہدہ ہوا جو ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے، اس معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ اگر مدینہ میں رہنے والوں میں سے کسی پر حملہ ہوا تو مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے حلیف بن کر اس کا

مقابلہ کریں گے، لیکن کچھ ہی عرصہ بعد جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کے خلاف پیش قدمی کی تو یہود اپنے کیے ہوئے وعدے سے منحرف ہوگئے، اس کے علاوہ بھی کئی مواقع پر انہوں نے اہل اسلام کو دھوکا دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ۔ (البقرۃ: ۱۰۰)

''جب کبھی انہوں نے کوئی وعدہ کیا تو ان میں سے ایک گروہ نے اس کو ضرور توڑا۔''

حیلہ سازی:

ان لوگوں نے دین میں حیلہ سازی کا دروازہ کھولا۔ جب انہیں ہفتے کے روز مچھلیاں پکڑنے سے منع کیا گیا تو انہوں نے حکم الٰہی پر عمل بجالانے کی بجائے حیلہ سازی شروع کر دی جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کی شکلیں بگاڑ دیں، قرآن مجید انہیں متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ۔ (البقرۃ:۶۵)

''تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جنہوں تم ہی میں سے ہفتے والے دن زیادتی کی تھی تو ہم نے ان سے کہا تھا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔''

گائے ذبح کرنے کے حکم کو ٹالنے کے لیے کس قدر سوالات کیے اور پلٹے کھائے مگر اللہ تعالیٰ کے سامنے بھلا کس کا داؤ چل سکتا ہے، جس قدر سوالات کرتے گئے دلدل میں پھنستے چلے گئے یہاں تک کہ بالآخر حکم بجالانے کے سوا اُن کے پاس کوئی چارہ نہ رہ گیا، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ (البقرۃ:۷۱)

''انہوں نے گائے ذبح کر تو دی، مگر کرنا نہیں چاہتے تھے۔''

خیر کی توقع؟

مسجد اقصیٰ در حقیقت یہود کا بھی قبلہ ہے، مگر جن لوگوں نے اپنے خالق کا احترام نہ کیا، اپنے نجات دہندہ نبی پر الزام تراشیوں سے وہ باز نہ آئے، حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے سامنے گستاخیاں کیں، ان کے بھائی اور اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے، نبیوں پر گھناؤنے جرائم کے الزامات تھوپنے، اللہ تعالیٰ کی کتابوں کی توہین کی، انبیاء کے قتل کا کھلے عام اعتراف کیا، بدعہدیاں کیں، ڈھٹائی کے ساتھ بھی اور حیلے بہانے سے بھی اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کی، یہاں تک کہ اپنے ہی قبلے کو اپنے ہاتھوں سے آگ لگادی تو ان سے کسی بھی قسم کی خیر کی توقع رکھنا عقل مندی نہیں کہلا سکتا۔

عائشہ صدیقہ۔ڈپٹی ڈائریکٹر عرفان الہدایہ

تعمیر شخصیت میں اہل اللہ کا کردار

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات میں احسن، ارفع واعلیٰ پیدا کیا اور تمام مخلوقات میں اشرف المخلوق ہونے کا شرف بخشا۔ کائنات میں انسان کو کسی مقصد کے تحت بھیجا اُسی مقصد کے حصول کے لئے انسان اپنی پیدائش سے لے کر مرنے تک کی زندگی بسر کرتا ہے۔ دنیا میں انسان سے جو بھی اعمال وافعال سرزد ہوتے ہیں وہی اُس کی شخصیت کا حصہ ہوتے ہیں اگر وہ اچھے افعال سرانجام دے گا تو اُس کی شخصیت اچھی ہو گی اور اگر وہ بُرے اعمال کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے گا تو اس کی شخصیت بھی اُسی طرز کی ہو گی۔ اللہ رب العزت نے انسان کو اس دنیا میں بھیجنے کے ساتھ ساتھ اُس کو زندگی گزارنے کے اُصول و قواعد اور آداب بھی بتائے اور سکھائے ہیں۔ یہ تو اللہ رب العزت کا فضل واحسان ہے کہ اُس نے انسان کو عقل کے ذریعے غور وفکر کرنے کی صلاحیت عطا کی ہے تاکہ انسان اگر کبھی بھول جائے تو غور وفکر کے ذریعے صحیح راستے کی پہچان کر سکے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وھدینہ النجدین۔ (سورۃ البلد ۱۰:۹۰)

''اور ہم نے اُسے خیر وشر کے دو نمایاں راستے بھی دکھا دیئے۔''

انسان جب اس دنیا میں آتا ہے نہ تو وہ بول سکتا ہے اور نہ ہی وہ چل سکتا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اُس کی پرورش والدین کے ذریعے کی کہ وہ شیر خوارگی کی عمر سے نکل کر عہد طفولیت اور بچپن سے ہوتا ہوا جوانی کی طرف بڑھتا ہے اور بڑھاپے میں داخل ہو کر اپنے مقررہ وقت پر اس دنیائے فانی سے رخصت ہو جاتا ہے۔ چند سالہ زندگی میں انسان اس دنیا کی رنگینیوں کو دیکھتا ہے کہ چرند پرند مٹی، آگ، ہوا، پانی، شجر وحجر وغیرہ کسی نہ کسی صورت میں

اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت کے لئے پیدا کئے ہیں۔ ظاہری دنیا کی زندگی میں انسان مختلف اور بے شمار واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے، لوگوں کے ساتھ تعلقات استوار کرتا ہے، اُس کی غمی اور خوشی میں شریک ہوتا ہے۔ لوگوں کے نزدیک اُس کی پہچان کا ایک معیار بن جاتا ہے اور وہی معیار اُس کی شخصیت کی پہچان بنتا ہے۔ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کے لئے آنکھیں، بولنے کے لئے منہ، سننے کے لئے کان، چلنے کے لئے ٹانگیں اور غور و فکر کرنے کے لئے عقل اور دیگر جسمانی اعضاء عطا کئے ہیں تاکہ وہ ان کی صحیح پہچان کر سکے اور یہ پہچان اُس وقت ہی ممکن ہو گی جب وہ اپنی شخصیت کی نشو نما شریعت کے اُصولوں کے مطابق کرے گا۔ اگر انسان خلاف شرع اُصول و ضوابط کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے گا تو سراسر خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا ہو گا۔

برصغیر پاک و ہند میں اشاعت اسلام کے سلسلے میں جن اولیاء نے مثالی کردار ادا کیا ان میں سے ایک مثالی کردار سید مخدوم داتا علی ہجویری کا نام سر فہرست ہے اور ان کی معرکتہ الآراء تصنیف کشف المحجوب نے بھی بنی نوع انسان کی اصلاح احوال اور شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے اصلاح معاشرہ اور بہترین شخصیت کی تعمیر و تشکیل کے پیش نظر افرادِ معاشرہ کو اخواتِ اسلامیہ، امن و سلامتی، خدمت خلق کے جذبے سے سرشار ہونا، اسلام کی اخلاقی تعلیمات، جود و سخا، شخصی کردار کی تشکیل، آداب زندگی، خاموشی و گفتگو کے آداب و فوائد نقصانات وغیرہ پر کاربند رہنے کی تلقین کتاب میں جابجا طور پر فرمائی ہے۔ انسانیت کی اصلاح اور کردار کی تعمیر و فلاح انبیائے کرام کے پیغام کا اولین مقصد رہا ہے اصلاح و تعمیر کا کام حکمت و تدبیر، وعظ و نصیحت، اثر خیز اور قائل کر دینے والے دلائل اور خلق خدا کی خدمت کے طفیل ہی ممکن ہے۔ آپ نے اصلاح معاشرہ اور شخصیت کی تربیت و اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور اس کاوش میں اہم کردار ادا کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کو پیدا کیا اور اس کی ہدایت کے لئے رسول اور نبی بھیجے اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے کے بعد یہ ذمہ علماء کو سونپا گیا تاکہ انسان ہدایت کا راستہ اختیار کر کے بہترین خصوصیات کو اپنی شخصیت کا حصہ بنائے، جس سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہو دین و دنیا میں اس کا بہترین تشخص قائم ہو۔ اس ذمہ داری کو سرانجام دیتے ہوئے سید علی بن عثمان نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں انسان کی کردار سازی اور تعمیر شخصیت کے لئے کچھ مناہج بیان کئے ہیں۔

حصول علم

علم کے ذریعے آدمی ایمان اور یقین کی دنیا آباد کرتا ہے۔ بھٹکے ہوئے لوگوں کو صراط مستقیم دکھاتا ہے بوڑھوں کو اچھا، دشمن کو دوست، بیگانوں کو اپنا اور دنیا میں بدامنی کی بجائے امن و امان کی فضا پیدا کرتا ہے۔ علم کی فضیلت و عظمت، تاکید و ترغیب اسلام کے اندر جس بلیغ، احسن اور دل آویز انداز میں پائی جاتی ہے اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ تعلیم و تربیت اس دین برحق کا جز لاینفک ہے۔ غرض یہ کہ اس حد تک علم حاصل کرنا ضروری ہے جس سے حوائج شریعہ پورے ہو سکیں جیسے علم نجوم اس کا اتنا جاننا ضروری ہے کہ جس سے رات دن کے اوقات اور صوم و صلوۃ کا وقت معلوم ہو سکے، علم طب اس قدر ضروری ہے جس سے انسان کی صحت کی حفاظت ہو سکے اور علم ریاضی اتنا ہی ضروری ہے جس سے علم فرائض آسانی سے سمجھا جا سکے اور اسی طرح دیگر علوم بھی اور وہ علم جس کا اخروی منافع کے ساتھ کوئی نہ ہو اس کی مذمت اللہ تعالیٰ نے خود قرآن مجید میں فرمائی ہے:

ویتعلمون مایضرھم ولاینفعھم۔ (سورۃ البقرہ ۲:۱۰۲)

''اور وہ ان علوم کے سیکھتے ہیں جو انہیں (اعتقادات و مبہمات میں) نقصان پہنچاتے ہیں اور ان کے لئے نفع بخش نہیں ہوتے۔

۱۔ سید علی ہجویری حاتم اصم کا قول نقل کرتے ہیں کہ حاتم اسم نے فرمایا میں نے چار علم اختیار کئے اور دنیا کے تمام علوم سے آزاد ہوں۔

۲۔ پہلا علم یہ کہ میرا رزق جتنا میرے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے وہ کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا اس وجہ سے میں زیادہ کی تلاش سے غنی ہوں۔

۳۔ دوسرا علم یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کے ایسے حقوق ہیں جو میرے علاوہ کوئی دوسرا نہیں ادا کر سکتا تو میں اُن حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہو گیا ہوں۔

۴۔ اور تیسرا علم یہ ہے کہ ایک شے میری طالب ہے جسے موت کہتے ہیں اور اُس بھاگنا ناممکن ہے اس لئے میں ہر وقت اُس کے لئے تیار رہتا ہوں۔

چوتھا علم یہ ہے کہ اللہ رب العزت ہر لمحہ مجھے دیکھنے والا ہے تو میں اُس سے شرماتا ہوں اور تمام ناپسندیدہ اعمال سے اجتناب کرتا ہوں اور ہر اُس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں جس کی وجہ سے قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

حضرت ابن معاذ فرماتے ہیں:

اجتنب صحبته ثلاثته اصناف من الناس العلماء الغافلين والفقرا المداهنين والمتصوفته الجاہلين۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء) کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص۹۷)

''تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرو غافل و بے عمل علماء اور حق سے زبان بند کروانے فقراء اور جاہل صوفیاء سے۔''

معرفت الٰہی

اللہ کا وجود اس کائنات کی ایک واضح اور مبین حقیقت ہے اس دنیا کے تمام نباتات، حیوانات، جمادات، چرند، پرند، حتی کے انسان اپنے ظاہر و باطن سے یہ اعلان کر رہے ہیں کہ وہ خود بخود وجود میں نہیں آئے بلکہ انہیں کسی نے پیدا کیا ہے چنانچہ ہر شے کا اپنے رب سے پہلا

رشتہ خالق اور مخلوق کا ہے۔ جہاں تک انسان کا تعلق ہے تو اُس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعارف دو بنیادوں پر ہے۔ ایک بنیاد داخلی اور دوسری خارجی ہے۔ داخلی طور پر ہر انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وجود اور توحید کے تصور کو پنہاں کر دیا ہے جس کا اشارہ عہد الست سے بھی ملتا ہے چنانچہ جب انسان اپنے باطن میں جھانکتا ہے تو وہ اپنے اندر ایک خالق و مالک ہستی کو محسوس کرتا ہے اور دوسری جانب جب انسان خارجی ماحول میں اپنی نگاہ دوڑاتا ہے تو اس کائنات کی ہم آہنگی، رنگینی، نظام ربوبیت اور نظم و استحکام یہ ماننے پر مجبور کر دیتا ہے کہ کوئی تو ایسی برتر و بالا ہستی موجود ہے جو اس کائنات کو تخلیق کر کے اپنی تدابیر کے ساتھ چلا رہی ہے۔ اپنے خالق کو انسان اُس دن سے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے جس دن سے اُس کی تخلیق ہوئی ہے البتہ انسان اپنے محدود علم کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا مکمل طور پر احاطہ نہیں کر سکتا لیکن اُس کی معرفت کی پہچان جاری ہے۔

سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں معرفت کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

معرفت علمی

معرفت حالی

معرفت علمی تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہیں اور بندے کے لئے معرفت میں اہم ترین چیز یہ ہے کہ وہ اوقات احوال میں اللہ تعالیٰ کو دنیا و آخرت میں پہچانے۔ معرفت حال کو علت بھی سمجھا جاتا ہے اور وہ علت عقل ہے۔ جو کچھ عقل ثابت کرتی ہے معرفت اُس کی نفی کرتی ہے عقل کی یہ مجال نہیں ہے کہ وہ استدلال کے ذریعے معرفت حاصل کرے اس لئے جہاں پر عقل ثابت ہو جائے وہاں معرفت کی نفی ہو جائے گی۔ معرفت دراصل حیات قلب کا نام ہے جس کا بنیادی مقصد اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑ جانا اور اللہ تعالیٰ کے سوا سے اعراض برتنا اور یہ درجہ انسان کو حق تعالیٰ کی معرفت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔ جسے معرفت حق نصیب نہ ہو وہ ذلیل اور بے قدر ہے۔

سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں حضرت شبلی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ :

حقیقته المعرفته العجز عن معرفته اللّٰه۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۵۴)۔

''حقیقت معرفت یہ ہے کہ معرفت حق سے بندہ خود کو عاجز سمجھے۔''

نظام شخصیت کی تعمیر کا اوّلین منہج معرفت الٰہی ہے جس نے اللہ کو پہچان لیا وہ باقی سب چیزوں سے بے نیاز ہو گیا اور تمام قسم کی غیر اللہ کی عبادتوں کے بیان سے گونگا اور بہرا ہو گیا، اپنے سب اوصاف سے فانی ہو گیا۔

توحید

توحید کی حقیقت یہ کہ کسی ایک کہ ہونے پر یقین کیا جائے۔ جب اللہ اپنی ذات وصفات میں ایک اور لاثانی ہے اور اپنے تمام تر افعال میں بے مثل ہے تو وہی ایک ہے۔ موحدوں نے اسے اسی صفت پر جانا ہے اور عقل نے اس کا نام ''توحید'' رکھا ہے۔

سید علی بن عثمان نے کشف المحجوب میں توحید کی تین اقسام بیان کی ہیں۔

توحید حق: توحید حق وہ توحید ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے اُس نے اپنی ذات کے یگانہ ہونے کی تصدیق کی اور اُسے (اللہ تعالیٰ) اپنی واحدانیت کا علم بھی ہے۔

توحید خلق کے لئے: اور یہ حکم تعالیٰ ہر بندے کے لئے ہے تو اس بنا پر بندے کے دل میں علم وحدانیت اور یقین وحدانیت ہونا لازمی ہے۔

توحید خلقت کی حق کے لئے: اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کو جاننا، پہچاننا اور یقین کرنا۔

سید علی بن عثمان فرماتے ہیں کہ توحید حق سے بندے کو اسرار حاصل ہوتے ہیں۔ خود کو راہ راست پر لانے اور راہ سلوک کا مسافر بننے کے لئے ضروری ہے کہ وحدہ لاشریک کو دل

سے تسلیم کیا جائے اور زبان سے اقرار کیا جائے۔ اصول توحید میں سے ایک اصول ہجرت وطن ہے جس کا معنی معلوفات نفس، آرام گاہ دل، قرار گاہ طبیعت اور رسوم دنیا سے ناواقف رہنا اور وحدہ لاشریک کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۶۵)

ایمان

ایمان کے لئے دو بنیادی چیزیں ہیں ایک اصل اور دوسری فرع۔ ایمان کی اصل تصدیق بالقلب ہے اور اُس کی فرع اوامر ونواہی ہیں۔ محدثین کے ہاں ایمان کے تین اجزاء ہیں تصدیق بالقلب، اقرار باللسان اور عمل بالارکان کا نام ایمان ہے۔ کامل ایمان تو حقیقتاً یہی ہے، اگر کوئی شخص بے عمل ہے تو اس کا ایمان ناقص ہے۔ پہلے دو اجزاء ایمان کا بنیادی حصہ ہیں اور اعمال اُس کی حقیقت میں نہیں ہیں اگرچہ کمال ایمان اعمال صالحہ ہی سے وجود میں آتا ہے۔ (محدث دہلوی عبدالحق، (س ن)، ایمان کیا ہے؟، (مترجم محمد انظر شاہ)، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ص ۸۳)

فقہاء، صوفیاء اور علماء اقرار باللسان اور تصدیق بالجنان کے قائل ہیں۔ سید علی بن عثمان نے ایمان کو تعمیر شخصیت کا منہج قرار دیا اور فرمایا کہ جب بندہ رب تعالیٰ کو پہچان لیتا ہے تو رب کے حکم کی عظمت بڑھ جاتی ہے اور مطیع اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اُس سے طاعت کا رنج اٹھا لیا جاتا ہے اور اُسے اطاعت گزاری کی توفیق بغیر رنج کے دے دی جاتی ہے۔

اگر انسان اپنی شخصیت کو سنوارنا چاہتا ہے تو اُسے ضروریات دین پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ضروریات دین سے مراد اللہ تعالیٰ توحید اور اُس کی صفات پر ایمان لانا، فرشتوں، آسمانی کتابوں، رسولوں، آخرت، تقدیر اچھی اور بری تقدیر، موت کے بعد زندہ اُٹھائے جانے پر

ایمان لانا، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کہ فرضیت کا قائل ہونااور تمام امور شر اور فرائض اسلام کی عدم ادائیگی کی حرمت کا قائل ہونا وغیرہ۔ (تفتازانی مسعود بن عمر بن عبداللہ الشیر سعدالدین، (۲۰۱۴ء) شرح المقاصد، عالم کتب، ج۳، ص۴۲۰)

طہارت و پاکیزگی

طہارت و پاکیزگی کا خوبصورت عمل نماز ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے جسم، جگہ اور لباس کا پاک ہونا ضروری ہے تو نماز کے توسط سے انسان بدن کی نجاستوں سے پاک رہتا ہے۔ کشف المحجوب میں طہارت کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ باطنی طہارت اور ظاہری طہارت۔ باطنی طہارت کا تعلق دل کے پاک کرنے سے ہے۔ دل کی پاکیزگی کے بغیر معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اور دل کی طہارت کے لئے آب توحید کی ضرورت ہے جس میں اعتقاد متذبذب اور مشکوک نہ ہو۔ اور ظاہری طہارت کے لئے پانی کا طاہر و مطہر ہونا ضروری ہونا ضروری ہے وہ پانی مستعمل اور مقید نہ ہو۔ چنانچہ صوفیا کرام ہمیشہ ظاہری طہارت کے پابند رہتے اور اپنا باطن توحید سے بھرپور رکھتے تھے۔ انسان جس قدر طہارت و پاکیزگی کو اپنی شخصیت کا حصہ بناتا ہے اُس کی شخصیت اتنی ہی مؤثر، دلکش اور ہر دلعزیز بن جاتی ہے۔ سید علی ہجویری نے کشف المحجوب میں ظاہری اور باطنی کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ظاہری اور باطنی طہارت میں موافقت ہونی چاہیے۔

- جب ہاتھ دھوئے تو اُس کے ساتھ ہی دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرلے۔
- استنجا کرے تو جس طرح تو جس طرح ظاہری نجاست سے پاکی حاصل کی ویسے ہی باطن کو غیر کی دوستی پاک کرلے۔
- ناک میں پانی ڈالتے وقت نفسانی خواہشات کو بھی اپنے اوپر حرام کرلے۔
- جب منہ دھوئے تو ساتھ ہی تمام خواہشات نفسانی کی چیزوں سے منہ پھیر لے اور حق کی طرف متوجہ ہو۔

- جب ہاتھوں کو کہنیوں تک صاف کرے تو اپنے تمام نصیبوں سے علیحدہ ہو جائے۔
- سر کا مسح کرتے وقت اپنے تمام ترکام اللہ تعالیٰ کے حوالے کردے۔
- پاؤں دھوئے تو یہ نیت کرلے کہ تمام مناہی راہوں پر چلنے سے باز رہوں گا۔

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب میرے دل میں دنیا کا اندیشہ گزرتا ہے تو میں طہارت کرلیتا ہوں اور جب اندیشہ عاقبت گزرتا ہے تو غسل کرلیتا ہوں اس لئے کہ دنیا محدث ہے اور اس کا اندیشہ حدث ہے اور عقبیٰ محل غیبت و آرام ہے اور اس کا اندیشہ جنابت ہے تو حدث سے طہارت واجب ہے اور جنابت سے غسل۔

توبہ استغفار

طالبان حق کا پہلا مقام توبہ ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

یاایھا الذین امنوا توبوا الی اللہ توبتہ نصوحا۔ (سورۃ التحریم ۶۶:۸)

''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کے حضور توبتہ النصوح کرو۔''

حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ما من شئی احب الی اللہ من شاب تائب الی اللہ تعالیٰ۔

(الجرجانی، ابو احمد عبداللہ بن عدی، (س ن)، الکامل فی ضعفاء الرجال، دالفکر، ج۴، رقم الحدیث ۱۴۳۹۔)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک جوان کی توبہ سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں ہے۔''

سید علی بن عثمان توبہ کی تعریف یوں کی ہے کہ توبہ کے لغوی معنی رجوع کرنے کے ہیں اور اصطلاحی طور پر بندہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی سے خائف ہو تو یہ اصل توبہ ہے۔ مزید آپ نے توبہ کے تین مقام بیان کئے ہیں۔

- پہلا تائب (گناہوں سے اطاعت کی طرف)۔
- دوسرا عاجز (اعمال کی غفلت سے اسکی یاد کی طرف رجوع)۔

• تیسرا اواب (اللہ کا دھیان اور حضوری نہ رہنے پر توبہ)

اس لئے کہ توبہ عام مومنوں کا مقام ہے اور وہ ارتکاب کبائر سے ہوتی ہے اور عنابت خالص اولیاء اور مقربان خاص کا مقام ہے اور اواب انبیاء و مرسلین کا مقام ہے۔ شخصیت کو سنوارنے کے لئے توبہ ایک بہترین راستہ ہے کہ جب بندہ اپنے احوال اور افعال پر غور و فکر کرتا اور اُس پر نادم ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس پر توبہ کے اسباب کو آسان کر دیتا ہے اور اُسے اطاعت کی حلاوت عطا فرماتا ہے۔

سید علی ہجویری نے توبہ سے متعلق حضرت ذوالنون مصری کا قول نقل کیا ہے۔

توبته العوام من ذنوب توبه الخواص من الغفلته ۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۸۰)

''عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے اور خواص کی غفلت سے۔''

کشف المحجوب کے مطابق توبہ واستغفار کے ذریعے بندے پر جو حجاب اٹھتا ہے وہ نماز ہے۔ پنجگانہ نماز اور اُن کے اوقات کار کی پابندی میں انسان کی تعمیر شخصیت کا مختصر مگر جامع عنصر پایا جاتا ہے۔ بندہ جب نماز کو وقت پر ادا کرتا ہے، اُس میں داخل ہونے سے پہلے اُس کی تمام شرائط کو پورا کرتا ہے اول نجاست ظاہری سے طہارت اور باطن شہوت سے طہارت، کپڑے کا ظاہری نجاست سے پاک ہونا اور باطنی طور پر حرام سے پاک ہونا، تیسری ظاہری طور پر حادثات اور آفات سے جگہ کا پاک ہونا اور باطن میں فتنہ وفساد اور گناہ سے، چوتھے ظاہری طور پر قبلہ روح ہونا اور باطنی طور پر عرش کی طرف متوجہ ہونا، پانچویں قیام ظاہر میں بحالت استطاعت اور قیام باطن باغ قربت میں بشرط یہ کہ ظاہر شریعت سے وقت میں داخل ہو اور باطن درجہ حقیقت میں ہو، چھٹے خلوص نیت کے ساتھ جناب حق میں متوجہ ہونا، ساتویں ہیبت

وفنا کے مقام میں تکبیر تحریمہ کہنا اور محلے وصل میں قرائت کرنا، اور رکوع کو خشوع کے ساتھ اور سجدہ کو عاجزی کے ساتھ اور تشہد کو فنا کی صفت سے پورا کرنا۔

تو جب بندہ نماز کو اس طرح ادا کرتا ہے جیسا کہ ادا کرنے کا حق ہے اُس کی شخصیت کی تعمیر کے جملہ مناہج پورے ہو جاتے ہیں تو یوں اُس کی شخصیت ایک متوازن شخصیت بن جاتی ہے۔

محبت الٰہی

سید علی بن عثمان فرماتے ہیں کہ محبت الٰہی بندے کے لئے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر اپنی نعمتوں کی فراوانی فرمائے اور اُسے دنیا و آخرت میں بے حساب ثواب عطا فرمائے اور عذاب سے محفوظ رکھے اور اُس کی انتہا یہ ہے کہ وہ بندے کو معصیت سے معصوم رکھے اور اُس کے احوال بلند اور مقام اعلیٰ کر دے ایسا اُسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب انسان اپنے بہترین کردار کے لئے راہ راست پر چلے اور اللہ تعالیٰ کی محبت سے سوا تمام محبتوں سے اُس کا دل غنی ہو جائے۔

حضرت شبلی محبت کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

سیت المحبته لانها تمحو من القلب ما سوی المحبوب ۔

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۹۰)

''محبت کا نام محبت اس لئے رکھا گیا ہے کہ وہ دلوں سے محبوب کے سوا سب کچھ مٹا دیتی ہے۔''

حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محبت کے باب میں یوں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دل کو جسم سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا اور مقام قرب میں رکھا اور جانوں کو دلوں سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرما کر درجہ وصل میں رکھا اور ہر روز تین سو ساٹھ بار اُن پر

ظہور جمال فرمایا اور کلمہ محبت سنایا اور تین سو ساٹھ، طائف اُنس اُس پر منکشف کئے یہاں تک کہ کائنات پر نگاہ کر کہ فیصلہ کیا کہ اپنے سے زیادہ کسی کو اس کا اہل نہ پایا تو اُس میں فخر اور غرور پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان فرمایا سر کو جان میں مقید کیا، جان کو دل میں، اور دل کو تن میں رکھ کر عقل سے مرکب کیا پھر انبیائے کرام مبعوث فرمائے اور احکامات بھیجے تو ہر ایک اپنے اپنے مکان میں اُسی کا متلاشی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں نماز کا حکم دیا تاکہ جسم نماز میں، دل محبت میں، جان قربت میں اور سر وصل میں ہو۔ (ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۴۹۰)

محبت الٰہی کہ ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ زکوٰۃ ہے اور زکوٰۃ فرائض ایمان میں سے ایک ہے اور واجب ہے۔ زکوٰۃ صاحب نصاب شخص پر ایک سال کی مدت گزر جانے کے بعد واجب ہوتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کرتا ہے تو وہ بخوشی اُسی کے دیئے ہوئے مال میں سے اُسی کی راہ میں خرچ کرتا ہے وہ خرچ زکوٰۃ کی صورت میں ہو یا صدقات وخیرات کی صورت میں۔

جود وسخا

جود وسخا کے معنی یہ ہیں کہ مناسب موقعوں پر انسان اپنا دل اور اپنے ہاتھ کھلے رکھے اور جو مادی و معنوی مسائل اور امکانات اُس کے اختیار میں ہیں اُن کو صرف اپنی ہی ذات تک محدود نہ رکھے بلکہ اُس کے ذریعے دوسروں کو بھی بیچارگی اور فقر سے محفوظ کرے اور بیواؤں کے کاندھوں سے بوجھ کو ہلکا کرے، مشکلات کو حل کرے اور اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں اسے عطا کر رکھی ہیں خواہ وہ مادی ہیں یا معنوی تمام نعمتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ سید علی بن عثمان فرماتے ہیں کہ علماء کے نزدیک جود وسخا مخلوق کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ بہترین سیرت و کردار کے حامل شخص کو چاہیے کہ وہ جود وسخا کو اپنی زندگی کا شعار بنالے اور

معاشرے کے پریشان حال، محتاج اور ضرورتمندوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں اُن کو بھی فائدہ پہنچائے۔

جود وسخا کے ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ روزہ ہے جس طرح جود وسخا میں بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہوئی نعمتوں سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اُسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کے باوجود صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک خود کو تمام خواہشات سے محفوظ رکھتا ہے اور اس طریقے سے وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی طلب گار ہوتا ہے اور معاشرے کے نادار اور حاجت مندوں اور پریشان حال لوگوں کی پریشانیوں کو بھی محسوس کرتا ہے۔

احکام بھوک

بھوک کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

بطن جائع احب الی اللہ تعالی من سبعین عابدا عافلا۔

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۵۲۵)

''بھوکا پیٹ اللہ کو ستر عابد عاقلوں سے زیادہ محبوب ہے''۔

بھوک کے متعلق سید علی ہجویری ارشاد فرماتے ہیں جن غذاؤں سے طبیعت کی پرورش ہوتی ہے، نفس کو قوت ملتی ہے اور حرص وخواہشات بڑھ جاتی ہیں اور اعضا میں اس کا قبلہ عام ہو جاتا ہے۔ پھر ہر رگ میں اس کا اثر پھیل کر ایک پردہ بن جاتا ہے اور جب غذاؤں کی طلب کم کر دی جائے تو خواہشات ضعیف ہو جاتی ہیں، عقل کی قوت بڑھ جاتی ہے، نفس کا تصرف ٹوٹ جاتا ہے، اس وقت اس کے اسرار و دلائل ظاہر ہوتے ہیں اور نفس اپنی حرکات سے عاجز ہو جاتا ہے اور خواہشات وجود سے فنا ہونے لگتی ہیں اور باطل مٹ جاتا ہے اور اظہار حق میں محو ہو جاتا ہے اور مرید کی تمام مراد حاصل ہوتی ہے۔

بھوک کے ذریعے بندے پر جو حجاب کھلتا ہے وہ حج ہے۔ حج ایک بدنی عبادت ہے کہ مناسک حج کی ادائیگی میں بندے کو بہت مشقت اُٹھانی پڑتی ہے۔ بھوک کے ذریعے نفسانی قوت مٹ جاتی ہے اور طبیعت میں خضوع پیدا ہوتا ہے اور انسان تمام مناسک حج کو بخوبی ادا کرتا ہے کیونکہ اُس کے بدن کی قوت بڑھ جاتی ہے۔

مشاہدہ

دنیا میں مشاہدہ آخرت میں دیدار کی مانند ہے جب بالاتفاق آخرت میں دیدار رواں ہے تو دنیا میں بھی مشاہدہ رواں ہے۔ مشاہدہ صفت سر ہے۔ حقیقت مشاہدہ دو طرح کا ہے ایک صحت یقین اور دوسرا غلبہ محبت سے۔ یعنی دوست غلبہ محبت میں اس درجہ تک پہنچے کہ خود گم ہو جائے اور دوست ہی دوست رہ جائے اور سوائے دوست کہ کسی غیر کو نہ دیکھے۔ حضرت ابو یزید فرماتے ہیں:

ان اللہ عباد الوحجبوا عن اللہ فی الدنیا والاخرۃ لارتدوا۔

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتا دربار کمپلیکس، ص ۵۶۹)

''اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ ایک پل دنیا و عقبیٰ میں اس کے جمال سے محجوب ہوں تو وہ اپنے آپ کو مرتد سمجھیں۔''

یعنی ان کی زندگی ہی مشاہدہ میں ہے اور محبت کی حیات ہی مشاہدہ سے ہے۔ بہترین شخصیت کے حامل افراد کردار سازی کے مراحل کو طے کرتے کرتے جب مشاہدہ پر آ پہنچتے ہیں تو دنیا کی تمام خواہشات ولذات اُن کے سامنے صفر ہوتی ہیں صوفیا اور مشائخ عظام اس کی زندہ مثال ہیں۔ اُن کو پھر اللہ تعالیٰ کے دیدار کی لذت کے سوا کسی دنیاوی دیدار کی طلب نہیں رہتی۔ مشاہدہ کے ذریعے جو بندے پر حجاب کھلتا ہے وہ صحبت صالح اور اُس کے آداب ہیں۔

دین اور دنیا کے سب کاموں کی زیب وزینت ادب سے ہے اور مخلوقات کے ہر مقام پر ادب کی ضرورت ہے اور اس بات پر تمام مسلم اور غیر مسلم سنی اور بدعتی سب متفق ہیں۔ اور اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی کام ادب کے بغیر مقبول نہیں ہے لوگوں میں ادب ہی حفظ مراتب کا ضامن ہے۔ جس میں مروت اور ادب نہیں اُس میں متابعت سنت نہیں ہو سکتی اور جس میں متابعت سنت نہ ہو وہ رعایت عزت نہیں کر سکتا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حسن الادب من الایمان۔ (بخاری محمد بن اسماعیل، (س ن)، التاریخ الکبیر، باب حسن الادب من الایمان بیروت لبنان، دار المعرفۃ، رقم الحدیث ۳۱۵)

''حسن ادب ایمان سے ہے۔''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ادبنی ربی واحسن تادیبی۔ (السیوطی، جلال الدین عباد الرحمٰن، (۲۰۰۹ء)، الدر المنثرہ فی الاحادیث المشتھرہ، الریاض، المکتبتہ العربیہ السعودیہ، رقم الحدیث ۳۵۵)

''میرے رب نے مجھے ادب سکھایا اور اُس کی خوب تادیب بھی فرمائی۔''

ادب کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ ایک ادب توحید اور وہ یہ ہے کہ ظاہر اور باطن میں بندہ اپنے آپ کو بے ادبی سے محفوظ رکھے اور اس طرح رہے جس طرح شاہی دربار میں مؤدب اور عاجز بن کر رہا جاتا ہے۔

۲۔ دوسرا ادب باہمی کاروبار میں کہ تمام قسم کے حالات وواقعات میں اپنے نفس کے ساتھ مروت کی رعایت کرے تاکہ خلقت میں ہو یا حق کے حضور پیش ہو، بندہ قطعی بے ادب نہ ہو۔

۳۔ تیسرا ادب اپنے اُس عضو کو بھی نہ دیکھے جو کسی غیر کا بھی دیکھنا ناجائز ہے۔

حضرت علی بن عثمان بیان کرتے ہیں کہ میں خراسان کے ایک قصبہ مکند میں پہنچا وہاں ایک بزرگ تھے جنہیں ادیب مکندی کہتے تھے اور یہ بزرگ بیس سال قیام میں رہے سوائے تشہد کہ کبھی نہ بیٹھے۔ میں نے اُن کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا ابھی میرا وہ درجہ نہیں کہ میں حضور حق کا مشاہدہ بیٹھ کر کروں اور پھر فرمایا:

لان المودة عند الادب وحسن الادب صفته الاحباب۔

(ہجویری، علی بن عثمان، (۲۰۱۲ء)، کشف المحجوب، (مترجم سید محمد احمد قادری)، لاہور، مرکز معارف اولیاء، داتادربار کمپلیکس، ص ۵۳۰)

''مودت ادب کے ساتھ ہے اور حسن ادب محبوں کی صفت ہے۔''

حضرت مولانا مفتی محمود اشرف

کا خطاب: ضبط و تحریر صادق حسین

دین کی بنیادیں اور دینی خرابیوں کے اہم اسباب

خطبہ مسنونہ:

الحمدلله رب العلمين والعاقبته للمتقين والصلوٰة والسلام علىٰ سيدنا وشفيعنا ومولانا محمد وعلىٰ اٰله واصحابه اجمعين اما بعد: فقد قال الله تبارک وتعالىٰ: ومن يوت الحكمته فقد اوتى خيرا كثيرا قال رسول اللهﷺ: اللهم انى اعوذبک من علم لاينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ومن دعوة لا يستجاب لها۔

تمہیدی کلمات:

دارالعلوم بڈھ بیر پشاور کے استاد مولانا محمد ابراہیم صاحب کی فرمائش پر نئے تعلیمی سال سنہ ۱۴۴۳ھ کے شروع میں یہ چند گذارشات پیش کر رہا ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی نصیحت کا محتاج ہوں، لیکن قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى (سورۃ الاعلیٰ:۹)

تم نصیحت کئے جاؤ، اگر نصیحت کا فائدہ ہو۔

وَّذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الذریات:۵۵)

اور نصیحت کرتے رہو، کیونکہ نصیحت ایمان لانے والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

علماء نے لکھا کہ اگر نصیحت کرنے والا اخلاص سے نصیحت کرے، تو سننے والوں کو فائدہ ہو یا نہ ہو لیکن عام طور سے جو نصیحت کرنے والا ہے خود اس کو شرم آتی ہے کہ میں دوسروں کو جو نصیحت کر رہا ہوں خود مجھے بھی اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اس طریقے سے جو نصیحت کرنے

والا ہوتا ہے اُسے خود کو فائدہ ہوتا ہے۔ تو میں اس اُمید پر یہ گذارشات آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ مجھے اور آپ کو اس سے فائدہ ہو۔

علم دین کے بنیادی مآخذ چار ہیں

جب ہم علم دین کی بات کرتے ہیں تو وہ چار چیزوں کا نام ہے جن کو اصول فقہ کہا جاتا ہے۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع اور قیاس۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مسئلہ شریعت سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ مسئلہ یا تو کتاب اللہ سے ثابت ہے یا سنت رسول اللہ سے یا قیاس سے اور یا اجماع سے ثابت ہے۔ کیونکہ محض کہانیوں سے یا واقعات سے دین کے احکامات ثابت نہیں ہوتے۔ جب تک کہ ان کا مواخذ ان چار اصولوں میں سے کوئی ایک اصل نہ ہو۔ اسی لئے ہر اصول فقہ کی کتاب کے شروع میں یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ **اعلم ان اصول الشرع اربعة** یعنی جان لو کہ اصول شرع چار ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔ اگر علم دین حاصل کرنے کی بات کی جائے گی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کتاب اللہ کی تمام آیات پر انسان کو عبور ہو، تمام احادیث شریفہ اس کے علم میں ہوں، جتنے اجماعی مسائل ہیں اُن کو وہ جانتا ہو اور قیاس صحیح اور قیاس فاسد کے تمام طریقوں سے وہ اچھی طرح واقف ہو۔ تب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ شریعت کے اصول اور احکام سے واقف ہے۔ اسی لئے میں ساتھیوں سے کہتا ہوں کہ اگر کوئی آدمی ہم سے یہ کہے کہ یہ مسئلہ شریعت سے ثابت ہے اور یہ مسئلہ شریعت کا حکم ہے تو ہم فوراً اس سے یہ پوچھ سکتے ہیں اور ہمیں یہ پوچھنا چاہیئے اور ہر سائل کا یہ حق ہے کہ وہ پوچھے کہ مولانا یہ جو آپ فرما رہے ہیں کہ یہ شریعت سے ثابت ہے تو شریعت کے اصول تو چار ہیں، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس، اس میں یہ کس سے ثابت ہے؟ تو اگر وہ کتاب اللہ سے ثابت ہے یا سنت رسول اللہ سے ثابت ہے یا اجماع سے یا قیاس سے ثابت ہے تو وہ شریعت کا حکم ہوگا، لیکن اگر وہ اچھی بات ہے، تو اچھی بات تو میری بھی ہو سکتی ہے اور مولوی ابراہیم صاحب کی بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے اساتذہ کی بھی

ہو سکتی ہے اور دنیا میں بہت سارے اچھے اور بُرے لوگ موجود ہیں، اُن کی باتیں بھی بہت اچھی ہو سکتی ہیں مگر وہ شریعت کے احکام نہیں ہونگے۔ انہیں آپ ملفوظات کہہ لیں، انہیں آپ نصیحت کہہ لیں، لیکن شریعت کا حکم جب کبھی ثابت ہوگا، وہ اُنہی چار اصولوں سے ثابت ہوگا، کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس۔

عالم کہلانے کا مستحق کون؟

جب ہم یہ بات سمجھ گئے تو اب اگلی بات یہ سمجھ لیں کہ اگر ہمیں علم دین حاصل کرنا ہے اور علم دین میں مہارت حاصل کرنا ہے تو چاہے وہ استاد ہو یا شاگرد ہو، اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان چار اصولوں کے اندر مہارت حاصل کریں۔ اور پھر آدمی جتنا ان اصولوں کے اندر ماہر ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی اس کے علم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور صحیح معنیٰ میں عالم کہلانے کا مستحق ہوگا۔ یعنی عالم بالکتاب والسنہ ہوگا۔

بنیادی اصول

پھر یہ بھی آپ کو معلوم ہے کہ ان چار اصولوں کے اندر دو چیزیں اصل ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ کیونکہ اجماع اور قیاس، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے خلاف منعقد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اجماع اور قیاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی مجمل باتوں کی تشریح تو ہو سکتی ہے کہ جو احکام مسکوت عنھا ہیں ان میں قیاس تو جاری ہو سکتا ہے لیکن اجماع کے ذریعہ سے اور قیاس کے ذریعہ سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے احکام کو نہ منسوخ کیا جا سکتا ہے، نہ ملتوی کیا جا سکتا ہے اور نہ ان کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے میری درخواست ہے اپنے تمام طلباء ساتھیوں سے، اور جن میں میں خود سر فہرست ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس میں مہارت عطا فرمادیں، تو امید ہے کہ ہم انشاء اللہ عالم کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں یا کم از کم ہم دین کی صحیح خدمت کر سکتے ہیں۔ کیونکہ محض کہانیاں سنا کر یا واقعات سنا کر دین کے کسی حکم کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

پہلی گذارش

اس لئے پہلی گزارش یہ ہے کہ ان چار اصولوں میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ اور یہی علوم عالیہ ہیں۔ اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں وہ علوم آلیہ ہیں یعنی وہ ذریعہ ہیں ان چار اصولوں کے حاصل کرنے کا۔

دوسری گزارش

دوسری گزارش یہ ہے کہ عالم اگر صحیح معنیٰ میں عالم ہو تو وہ انبیاء کرام علیہم السلام کا علمی وارث ہوتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کا ارشاد ہے:

ان العلما ورثته الانبياء ان الانبياء لم يورثو دينارا ولا درهما انما ورثو العلم فمن اخذه اخذ بحظ وافر۔ (سنن ابن ماجہ، باب فضل العلماء)

بیشک علماء کرام، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء کرام علیہم السلام علم چھوڑ کر جاتے ہیں (کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا) اور جو اس کو لے لیتا ہے وہی بڑا حصہ لیتا ہے۔

اس علم کے لئے مانع دو چیزیں ہیں۔ ایک حب مال اور دوسری حب جاہ۔ یہ جو دینی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں، یہ عام طور سے ان دو وجہوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ایک مال کی محبت ہے اور دوسرے، جاہ کی محبت۔ اللہ پناہ میں رکھیں۔

دینی خرابیوں کی پہلی وجہ: حب مال

اس مال کی محبت کی وجہ سے انسان بہت اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے اور دینی احکام کو پامال کرتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ یا دینی احکامات کو فروخت کرنے لگتا ہے اور دین کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنانے لگتا ہے۔ اعاذنا اللہ من ذٰلک۔

حلال طریقے سے دنیا کمانا عبادت ہے

یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ حلال طریقے سے دنیا حاصل کریں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ جوتوں کی دکان کھولیں، آپ سبزی کی دکان کھولیں یا کتابوں کی دکان کھولیں، آپ

محنت کریں، مزدوری کریں، تجارت کریں، زراعت کریں، رزق حلال کمائیں اور اس کے ساتھ ساتھ شریعت کے احکام کا خیال کریں تو یہ ایک درجہ میں عبادت ہی ہے، لیکن دین کو دنیا کمانے کا اگر ذریعہ بنایا جائے گا تو یہ بہت بڑی بُرائی ہے اس سے بچنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ اس لئے پہلی چیز جو خرابی کی ہے وہ ہے حب مال یعنی مال کی محبت۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

حب الدنيا راس كل خطيئته۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق)

دنیا کی محبت ہر بُرائی کی جڑ ہے۔

پہلی چیز ہو گئی حب مال یعنی مال کی محبت۔

دینی خرابیوں کی دوسری وجہ:

حب جاہ

دوسری چیز ہے حب جاہ۔ حب جاہ کا مطلب ہے کہ آدمی کے دل میں شہرت کی محبت ہو اور وہ یہ چاہے کہ میری شہرت ہو جائے، لوگ مجھے عالم کہیں اور وہ میرے جوتے سیدھے کریں اور میرے نام کے ساتھ القاب لکھے جائیں۔ عالم بے بدل، فاضل اجل، استاذ العلماء فلاں اور فلاں وغیرہ وغیرہ۔

شہرت کی یہ جو خواہش ہے یہ حب جاہ کہلاتی ہے کہ لوگ مجھے اچھا سمجھے اور میں ان کے درمیان مشہور ہو جاؤں اور لوگ میری طرف اشارہ کر کر کے یہ کہیں کہ یہ بڑا عالم جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ اور یہ جو حب جاہ ہے یعنی شہرت کی محبت یا منصب کی محبت، کہ میں بڑا عالم بن جاؤں، اور بڑا فقیہ بن جاؤں اور پوری دنیا میں مشہور ہو جاؤں یہ حب جاہ کا ایک ذریعہ ہے اور حب جاہ کی ایک شاخ ہے۔ اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی:

ما ذئبان جائعان ارسلا فى غنم بافسد لها من حرص المرء على المال والشرف لدينه۔ (الترمذی، ابواب الزھد)

دو بھوکے بھیڑیئے جن کو بکریوں میں چھوڑ دیا جائے بکریوں کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ انسان کی حرص جاہ و دولت پر دین کو نقصان پہنچاتی ہے۔

اگر بکریوں کے ریوڑ کے اندر دو بھوکے بھیڑیں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بکریوں کے ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا کہ آدمی کے دین کو دو چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ دین کو نقصان پہنچانے والی دو چیزوں میں سے ایک حب مال ہے اور دوسری حب الشرف ہے۔ کہ آدمی مال سے محبت کرتا ہو اور حرام و حلال کی پرواہ کئے بغیر ہر وقت مال کی خواہش اس کے دل میں رہتی ہو۔ مال کمانے کا جذبہ ہو اور مال کی حرص اس کے دل میں بیٹھی ہوئی ہو اور اسی مال کے لئے اس کی ساری تگ و دو ہو۔ اور دوسری چیز ہے شہرت کی خواہش، عزت کی خواہش، منصب کی خواہش کہ لوگوں کے درمیان مشہور ہو جاؤں اور لوگ میری عزت کریں۔

قوم کو کن علماء کی ضرورت ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ایسے علماء کی ضرورت ہے، ایسے طالب علموں کی ضرورت ہے کہ جو گمنام رہیں اور خاموشی کے ساتھ دین کی سچی خدمت انجام دیں۔ نہ تو ان کے دل میں مال کی محبت ہو اور نہ ان کے دل میں شہرت کی محبت ہو، بلکہ مال کی محبت سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہوں اور شہرت کی محبت سے بھی بچنے کی کوشش کرتے ہوں۔ مجھے ایک صاحب کا مقولہ بہت اچھا لگا اور وہ میں نے کہیں پڑھا تھا۔ انہوں نے یہ فرمایا: کہ ہمیں ان پتھروں کی ضرورت نہیں ہے کہ جو مسجد یا مینار کے اوپر لگائے جاتے ہیں اور جن کو سب لوگ دیکھتے ہیں اور ان کی تعریف کرتے ہیں، ہمیں ضرورت ہے ان پتھروں کی جو بنیادوں کے اندر اندر غرق ہو جاتے ہیں اور جن کے اوپر پوری عمارت قائم ہوتی ہے۔

اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ جب بھی کوئی عمارت قائم ہوتی ہے اور قائم ہونے کے بعد وہ عمارت لوگوں کے سامنے آتی ہے چاہے وہ شاندار مسجد ہو یا شاندار مینارہ ہو یا کوئی شاندار عمارت ہو، تو لوگ اوپر کے شاندار نقش و نگار اور اس کے سامنے کی چیزوں کو تو دیکھتے ہیں، تعریف کرتے ہیں، لیکن اس کے علم میں یہ بات نہیں ہوتی کہ یہ جو اتنا اونچا مینار کھڑا ہوا ہے

اور اتنی شاندار مسجد کھڑی ہوئی ہے، اس کی جڑوں کے اندر اور اس کی بنیادوں کے اندر وہ پتھر موجود ہیں کہ جنہوں نے اس پوری عمارت کو اب تک تھامے ہوئے ہے۔ اور جیسے بنیاد ہوتی ہے، اسی کے مطابق عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔ جتنی بنیاد آپ گہری رکھیں گے، جتنی بنیاد آپ مضبوط رکھیں گے اور جس کے اندر لوہا اور پتھر سب دفن کر دینگے تو جتنی شاندار بنیاد ہو گی اس کے اوپر اتنی ہی شاندار عمارت تعمیر ہو گی۔

تو ان صاحب کا کہنا یہ تھا کہ ہمیں ان پتھروں کی ضرورت نہیں ہے کہ جن کو عمارت کے اوپر لگایا جاتا ہے، ہمیں ضرورت ہے ان پتھروں کی کہ جو خود تو بنیادوں کے اندر دفن ہو جاتے ہیں، لیکن پوری عمارت ان کے اوپر قائم رہتی ہے، اور سالہا سال تک وہ عمارت سر بلند رہتی ہے۔ لوگوں کو دین اور دنیا کا فائدہ پہنچاتی ہے۔

اکابر دیوبند کی عجیب شان

ہمارے جتنے اکابر تھے ان سب کا یہی حال تھا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب اگر آپ پڑھیں تو حیرانی ہو گی کہ حضرت نے کیسے خاموش زندگی گزاری اور کس طریقے سے سادگی اور تواضع کے ساتھ دین کی خدمت کرتے رہیں، یہاں تک کہ بڑے بڑے اکابر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کے ہاتھوں سے پیدا فرما دیئے۔ حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے اکابر وہ ہیں جو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ کے تربیت یافتہ ہیں۔ لیکن حضرت گمنام تھے۔ ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور گنگوہ کی ایک چھوٹی سی بستی کی ایک خانقاہ میں انہوں نے ساری زندگی گزار دی۔

یہی معاملہ ہوا حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب قدس اللہ سرہ کا، کہ انہوں نے ساری زندگی خانقاہ میں گزار دی اور تھانہ بھون ایک چھوٹی سی بستی ہے اس کی ایک چھوٹی سی مسجد کی خانقاہ تھی اسی میں بیٹھے رہیں لوگ آتے رہیں اور حضرت والا قدس اللہ سرہ سے دین کا فیض حاصل کرتے رہیں، یہاں تک کہ کوئی مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ بن گیا، کوئی مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ بن گیا، کوئی مولانا مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، بن

گیا، کوئی ڈاکٹر عبدالحیئ عارفی رحمتہ اللہ علیہ بن گیا، کوئی حضرت حاجی شریف صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور طرح طرح کے بزرگ بنادیئے انہوں نے۔ لیکن خود خاموشی کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ کر دین کی خدمت کرتے رہیں۔

اہم نصیحت

اس لئے میرے دوستو! بزرگو! اور ساتھیو! یہ جو میں آپ لوگوں کو کہہ رہا ہوں، حقیقت میں اپنے نفس کو کہہ رہا ہوں کہ ہم اگر شہرت کی جگہوں میں بیٹھ کر دین کا کام کریں گے اور ہمارے سامنے مال کی محبت ہوگی، مال ہمارا مقصود ہوگا یا جاہ اور شہرت ہماری مقصود ہوگی، تو ہمیں نہ دین حاصل ہوگا، نہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوگی، نہ ہمارے علم کے اندر نور ہوگا، نہ ہمارے علم کے اندر برکت ہوگی، نہ ہی ہمارے ہاتھوں سے اچھے طالب علم اور اچھے علماء وجود میں آئیں گے۔ یہ تو اسی وقت ہوگا جب آپ اپنے آپ کو فنا کریں۔ اپنے اندر جو بڑے رذائل ہیں ان کو نکالیں اور اپنے دل کے اندر اچھے فضائل پیدا کریں۔ جب تک رذائل نہیں نکلیں گے اس وقت تک آدمی صحیح معنیٰ میں عالم دین نہیں بن سکتا۔ لہٰذا جو کام کیا جائے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا جائے۔ خاموشی کے ساتھ کیا جائے۔ اور جب مال مقصود نہ ہو اور شہرت مقصود نہ ہو تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے قبول فرماتے ہیں اور آپ نے وہ مقولہ سنا ہوگا کہ: **ما کان اللہ فھو یبقی** کہ جو عمل اللہ کے لئے کیا جاتا ہے وہ باقی رہتا ہے۔ یعنی اس کے گہرے اثرات ہوتے ہیں۔ آدمی دنیا سے چلا جاتا ہے مگر اس کے بہت ہی مؤثر اثرات باقی رہتے ہیں۔

یہ چند گزارشات تھیں جو میں نے اپنے آپ کو مخاطب کر کے کہیں۔ اور اس لئے عرض کر دیں کہ مجھے فائدہ ہو، اور سننے والوں میں سے بھی کسی کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے تو وہ میرے لئے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کلمات کو قبول فرمائے اور ہم سب کے لیے آنے والے تعلیمی سال کو مبارک فرمائے۔

تفقہ فی الدین (دین کی صحیح سمجھ)

اللہ تعالیٰ ہمیں تفقہ فی الدین عطا فرمائے۔ یعنی کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع اور قیاس میں مہارت عطا فرمائے اور حکمت عطا فرمائے۔ حکمت کہتے ہیں دانائی کو ایسی دانائی کی بات کو کہ جو شریعت کے بھی مطابق ہو اور انسانی فطرت کے بھی مطابق ہو، عقل کے بھی مطابق ہو، عرف کے بھی مطابق ہو اور لوگ آسانی کے ساتھ اسے قبول کرتے ہوں۔ تو جس جس آدمی کو اللہ تعالیٰ تفقہ فی الدین اور حکمت عطا فرمادیں تو یقینا یہ بہت بڑی دولت ہے، کیونکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورۃ البقرۃ:۲۶۹)

تو دین اس انداز سے پیش کرنا چاہیئے کہ وہ شریعت کے مطابق ہو، نصوص کے مطابق ہو، عقل انسانی اور فطرت کے بھی مطابق ہو اور عرف کے بھی قریب ہو۔ تاکہ دوسروں کے لیے سمجھنا آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حکمت عطا فرمادیں اور تفقہ فی الدین عطا فرمادیں، تو امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ خیر کا ارادہ کیا ہوگا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ ہمارے لئے انشاء اللہ جنت کا معاملہ بھی آسان فرمادیں گے۔ کیونکہ یہ دنیا تو ساٹھ ستر سال کی ہے۔ عارضی طور پر انسان یہاں آتا ہے۔ اصل میں اس نے آگے جانا ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ قبر درست فرمادیں، آخرت درست فرمادیں تو یہ اصل کامیابی ہے۔

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۔ (آل عمران:۱۸۵)

جس کو جہنم سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا تو وہی کامیاب ہے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (سورۃ الحدید:۲۰)

اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

اللہ تعالیٰ دھوکے کے سامان سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ مال اور جاہ کی محبت سے ہمیں بچنے کی توفیق عطا فرمادیں۔ تفقہ فی الدین عطا فرمادیں۔ حکمت ربانی عطا فرمادیں اور اپنی رضا کے مطابق خاموشی کے ساتھ ہمیں دین کی سچی اور مقبول خدمت کی توفیق عطا فرمادیں۔ جیسا کہ سلف صالحین نے کی۔ اور جن کا اسوہ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔

محمد موسیٰ بھٹو

ہمارے کچھ اہم معاملات
احادیث نبوی کی روشنی میں

اسلام کا اجنبی ہو جانا
اور اجنبیوں کے لئے خوش خبری کا ہونا

فرمایا: اسلام آغاز میں اجنبی تھا اور عنقریب دوبارہ وہ اجنبی ہو جائے گا، جیسا کہ شروع میں تھا، بس اجنبیوں کے لئے خوش خبری ہے۔ (مسلم ۳۷۲)

اس حدیث میں اسلام کی مظلومیت، لوگوں کی اسلام سے دوری، مادیت پرستی اور نفس پرستی پر مبنی ماحول کے غلبے کی وجہ سے اسلام کے اجنبی ہو جانے کی خبر سنائی گئی ہے، یعنی وہی حالت ہو جائے گی، جو اسلام کے آغاز میں تھی۔

ہمارا موجودہ دور تیزی سے اس طرف بڑھ رہا ہے، اس کا ایک سبب یہ ہے کہ استعمار اور طاغوت کی عالمی قوت کے عالم اسلام سے ایسے مفادات وابستہ ہیں، جو اہل اسلام کی اسلام سے دستبرداری کی صورت میں ہی پورے ہو سکتے ہیں، جب تک لوگوں میں اسلامی نظریے سے وابستگی قائم ہے، تب تک استعمار اور عالمی طاغوت یہ سمجھتا ہے کہ عالم اسلام کی معیشت، سیاست، معاشرت اور اجتماعی زندگی پر اس کا مکمل کنٹرول نہیں ہو سکتا، اس مقصد کے لئے مسلمان ممالک میں سیکولرازم کے لئے فضا کو ہموار کرنے کے لئے ایک پورا جال بچھایا گیا ہے، چونکہ اس کے پاس قارون سے بھی ہزار گنا زیادہ خزانہ ہے، اس لئے ہمارے معاشرے کے ہر طبقے کے ذہین و باصلاحیت افراد کی خرید و فروخت کا عمل جاری ہے، یہاں تک کہ دینی مدارس کے فارغ فضلا بھی اس زد میں ہیں، مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی اسلام سے وابستگی کو ختم کر کے انہیں سیکولرازم، جدیدیت اور مادیت پسندی کی راہ پر گامزن کیا جائے، یہ کام بعض تعلیمی

اداروں اور این جی اوز کے ذریعہ بھی کیا جا رہا ہے تو سوشل میڈیا کے ذریعہ بھی۔ چونکہ سوشل میڈیا سے کروڑہا افراد وابستہ ہو گئے ہیں، اس لئے سوشل میڈیا کے ذریعہ افرادِ امت کے فکر و نظر کو تبدیل کرنے کا عمل تیزی سے جاری ہے، اس طرح ہمارا دور اللہ کے رسول ﷺ کی اس پیشگوئی کی طرف تیزی سے جا رہا ہے کہ اسلام عنقریب اجنبی ہو جائے گا، اس حدیث شریف میں ایسے اجنبیوں کو خوش خبری سنائی گئی ہے، جو فتنوں کی کثرت کے باوجود مستقل مزاجی سے اللہ پرستی کی راہ پر گامزن ہوں گے اور اسلام کے کسی بھی جزو سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں گے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے خوش نصیب اجنبیوں میں شامل فرمائے۔

مومن کے ہر معاملہ کا خیر ہی خیر کا ہونا

فرمایا: مومن کا معاملہ بھی بہت عجیب ہے، کیونکہ اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے، یہ (خوبی) ایمان والوں کے علاوہ کسی کو حاصل نہیں، اگر اسے خوشی حاصل ہو تو اس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے، اس کی یہ حالت اس کے لئے باعث خیر ہے، اگر اس پر مصیبت پیش آئے تو اس پر صبر کرتا ہے، یہ حالت بھی اس کے لئے باعث خیر ہے۔ (صحیح مسلم ۲۰۹۲)

خوشی اور تکلیف اور غم ہر فرد کے ساتھ لگا رہتا ہے، لیکن بندہ مومن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے لئے دونوں حالتیں خیر کا باعث ہوتی ہیں، خوشی کے موقعہ پر وہ شکر ادا کرتا ہے اور تکلیف اور مصیبت کی حالت پر وہ صبر کرتا ہے، اس طرح یہ صبر اس کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتا ہے بعض اوقات تکلیف اور دکھ کے موقعہ پر بندہ پر یہ احساس طاری ہونے لگتا ہے کہ کہیں یہ اللہ کی طرف سے عتاب تو نہیں، لیکن ایسا نہیں ہوتا، تکلیف بندہ کے صبر کے مزاج کو پختہ کرنے اور اللہ سے مانگنے کا ذریعہ بن جاتی ہے، اس لئے تکلیف، مصیبت اور غم کے موقعہ پر زیادہ پریشان ہونے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اس حالت کو اللہ سے مانگنے کا ذریعہ بنانا چاہئے۔

قیامت کے دن

بُرے حشر سے دوچار ہونے والے

فرمایا: اللہ کے نزدیک روز قیامت سب سے بدتر لوگ وہ ہوں گے جن کے شر سے ڈرتے ہوئے لوگ ان سے ملنا چھوڑ دیں۔ (بخاری ۶۰۳۲)

مزاج میں تھوڑی بہت خرابی تو لگ بھگ ہر فرد میں موجود ہوتی ہے، تزکیہ کے مراحل سے گزرنے سے یہ خرابی دور ہونے لگتی ہے، لیکن مزاج میں اس طرح کا فساد پیدا ہو جانا کہ لوگ ان کے شر سے ملنا ہی چھوڑ دیں، مزاج میں اس طرح کا شر حب جاہ وحب مال کی وجہ سے ہی پیدا ہوتا ہے، دولت اور عہدوں میں کچھ اس طرح کی خاصیت ہے کہ فرد دوسروں کی تکلیف، اذیت اور شر کا ذریعہ بن جاتا ہے، بعض لوگ عہدوں اور دولت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مزاجی خرابیوں کو کسی حد تک حدود میں رکھنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر لوگوں کے حب جاہ وحب مال کے نتیجے میں پیدا ہونے والے شر کے جذبات بے قابو ہو جاتے ہیں، اس طرح وہ لوگوں کے لئے سخت اذیت وتکلیف کا باعث بنتے ہیں، لوگ ان کے مزاجی شر سے بچنے کے لئے ان سے ملنا بند کر دیتے ہیں، حدیث شریف میں ایسے لوگوں کے حشر کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن بدتر لوگ شمار ہوں گے۔

لوگوں کی چغلیاں کرنے والوں کا حشر

فرمایا: معراج کی رات میرا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا، جن کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے، میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا، یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہوں نے کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتوں کو پامال کرتے تھے۔ (سلسلہ احادیث صحیحہ ۲۸۲۲)

لوگوں کی غیبت کرنے کی یہ عبرتناک سزا ہے، دوسروں کی عزت پامال کرنے میں چونکہ نفس کو لذت حاصل ہوتی ہے، اس لئے نفس اس عمل میں مصروف رہنے میں خوشی

محسوس کرتا ہے، لیکن اس کی سزا ایسی ہے کہ فرد کے ہوش اڑ جائیں گے، دوسروں کی عزت کو داغدار کرنے کی بُرائی غیر مذہبی لوگوں میں ہی نہیں، بلکہ دیندار لوگوں میں بھی موجود ہے۔ اللہ ہمیں اس بُرائی سے بچالے اور زبان پر قابو پانے کا سلیقہ عطا فرمائے۔ (آمین)

ہلاکت کی وعید

فرمایا: ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اس غرض سے جھوٹ بولے کہ اس سے لوگ ہنسیں، ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے۔ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۴۹۹۰)

جھوٹ بولنے کی بُرائی کو عام طور پر معمولی سمجھا جاتا ہے، آج کل سوشل میڈیا پر لوگوں کی تفریح طبع اور اپنے سننے والے حلقے کو بڑھانے کے لئے اس طرح کی چیزیں اختیار کی جاتی ہیں، دوسروں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے مخالف حلقے کو مشتعل کرنا اور اس طرح اپنے سننے والوں کے حلقے میں اضافہ کرنا اور پیسہ کمانا یہ آج کل فیشن بن گیا ہے، اللہ ہمیں اس بُرائی سے بچالے۔

جس نے اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں

فرمایا: جس نے ہم پر اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص مسلمانوں کو دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (الادب المفرد۔ حدیث ۱۲۸۱)

آج کل مسلمانوں میں مختلف مسائل پر ایک دوسرے سے محاذ آرائی کی فضا پیدا ہو گئی ہے، یہ محاذ آرائی سیاسی اختلافات کی بنیاد پر بھی ہے تو مسلکی اختلافات کی وجہ سے بھی، ہر گروہ چاہتا ہے کہ دوسرا گروہ بے وقار ہو جائے اور اس کی معاشرے میں حیثیت ختم ہو جائے، یہ حدیث اس مزاج کے حامل افراد کے لئے بھی انتباہ کی حیثیت رکھتی ہے، اختلاف کو اختلاف کے دائرے میں رکھنا چاہئے، ایک دوسرے کو مٹانے کی آرزوں کا ہونا المناک بات ہے، اور ایمان کے بھی منافی ہے۔

آدمی کے جھوٹا ہونے کی علامت

سنی سنائی بات کو پھیلانا

فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے صرف یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرے۔(مشکوۃ حدیث نمبر: ۱۵۶)

یہ ہماری عام روش ہے کہ سنی سنائی بات کو تحقیق کے بغیر دوسروں تک پہنچائیں گے، اس سے متعلقہ لوگوں کی تحقیر ہوتی ہے، ان کا اعتماد مجروح ہوتا ہے اور معاشرے میں تفریق پیدا ہوتی ہے، تحقیق کے بغیر باتوں کو پھیلانا بُرا عمل ہے، جس سے بچنا چاہئے، یہ اخلاقیات کا بھی تقاضا ہے۔

آلِ محمد کے لئے مختصر روزی کی دعا

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے دعا کی، یا اللہ آل محمد کو صرف اتنی روزی دے کہ وہ زندہ رہ سکیں۔(صحیح مسلم ۷۴۴۱)

اللہ کے رسول ﷺ کی اپنی آل کے لئے مختصر روزی کی دعا ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم دنیا کے کم سے کم حصے پر راضی ہوں، اور اتنی روزی چاہیں، جس سے زندہ رہ سکیں، اللہ کے رسول کی زندگی ہمارے لئے ہر اعتبار سے نمونہ ہے، آپ ﷺ نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے جب دنیا کو پسند نہیں فرمایا، تو ہمیں دنیا کے لئے حریص ہونا، دنیا میں اپنی توانائیوں کو صرف کرنا، زیب نہیں دیتا، دنیا اس قابل ہی نہیں ہے کہ ضرورت سے زیادہ اس میں وقت صرف کیا جائے، دنیا کی زیب وزینت کا سامان ہی ایسا ہے کہ اس سے دستبردار ہونا مشکل ہے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کی علامت یہی ہے کہ ایسا کیا جائے۔

رحمت کے سو حصے

ننانوے حصوں کا آخرت میں ظاہر ہونا

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو پیدا کیا تو اس کے سو حصے کئے، پھر اس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے اور صرف ایک حصہ اپنی تمام مخلوق کے لئے بھیجا، لہذا اگر کافر کو

ساری رحمت کا پتہ چل جائے تو وہ کبھی جنت سے مایوس نہ ہو اور اگر مؤمن کو اللہ کے ہاں ہر قسم کے عذاب کا پتہ چل جائے تو وہ دوزخ سے کبھی بے خوف نہ ہو۔(صحیح بخاری ۶۰۰۰)

مومن کی سب سے بڑی علامت اللہ کا خوف اور اللہ کے عذاب سے ڈر ہے، ڈر کی یہ حالت اس پر اکثر طاری رہتی ہے، وہ اپنے حشر کے بارے میں ڈرتا رہتا ہے کہ معلوم نہیں آخرت میں اس کے ساتھ کیا ہوگا، کہیں وہ جہنم کا ایندھن تو نہیں بنے گا، یہ خوف اسے مستقلا اللہ سے اس کے عتاب سے بچنے کی دعا مانگنے کی نفسیات کا حامل بنا دیتا ہے۔

دنیا سے بچنے والے کو، اللہ دنیا سے بچائے گا

فرمایا: جو تم میں سے (دنیا سے) بچتا رہے گا، اللہ اسے بچائے گا، جو صبر کرنا چاہے، اللہ اسے صبر دے گا اور جو غنا چاہتا ہے، اللہ اسے مستغنی کر دے گا، اور تمہیں اللہ کی نعمت صبر سے بڑھکر کوئی نہیں ملی۔(صحیح بخاری ۶۴۷۰)

دنیا کی بہتات کی فکر ہر شخص میں بھری ہوئی ہے، جسے دنیا حاصل ہے، وہ مزید دنیا کی کوششوں میں مصروف ہے، جس کے پاس دنیا نہیں ہے، اس پر دنیا کے میلانات اور اس کی فکرمندی غالب ہے، جو دنیا سے بچنے کی خصوصی کوشش کرے گا، اور اس کے لئے تزکیہ نفس کے مراحل سے گزرے گا، اللہ اسے دنیا کی بہتات اور اس کی آفتوں سے بچائے گا، اور دنیا کے حوالے سے اس کے مزاج میں صبر پیدا کرے گا، اور جو دل کا غنی بننا چاہے گا، اللہ اسے دولت کے بغیر دل کا غنی کر دے گا، اور اس کے اندر سے دنیا کی محبت اور اس کا رعب نکال کر کے اسے غنی کر دے گا، دنیا کے حوالے سے بے نیازی اور صبر کی نعمت سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں۔

زبان سے بات نکالنے کے تباہ کن اثرات

فرمایا: بندہ زبان سے ایک بات نکالتا ہے اور اس کے متعلق غور وفکر نہیں کرتا، اس کی وجہ سے وہ دوزخ کے گڑھے میں اتنی دور جا گرتا ہے جس قدر مشرق ومغرب کے درمیان مسافت ہے۔(صحیح مسلم ۲۹۲۸)

زبان، انسان کی شخصیت اور اس کے باطن میں موجود جذبات کی ترجمان ہوتی ہے، زبان سے تکبر کا مظاہرہ ہو یا حسد کا یا دوسروں کی تحقیر اور اپنی بڑائی کا، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جو بندے کے اعمال کو غارت کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، اگر زبان سے شرکیہ یا ملحدانہ خیالات کا اظہار ہو، جس طرح آج کل سیکولرازم کے غلبے کی وجہ سے ہو رہا ہے، اور اسلامی اقدار کو مجروح کیا جارہا ہے، تو یہ اللہ کے سخت عتاب کی علامتیں ہیں، اور سخت سزا کا موجب بھی۔

دوزخ کے گرد نفسانی خواہشات کی باڑ لگانا

فرمایا: دوزخ کے گرد نفسانی خواہشات کی باڑ لگادی گئی ہے، جبکہ جنت کو مشکلات اور دشواریوں سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری ۶۴۷۸)

دوزخ کو نفسانی خواہشات سے سجایا گیا ہے، نفسانی خواہشات میں دوزخ ہی کی تاثیر رکھی گئی ہے، نفس پرست انسانوں کا مسکن دوزخ ہی ہے۔

جب کہ نفس کی قوتوں کو مطیع کرنے کے لئے مشقتوں اور مجاہدوں سے کام لینے والوں کے لئے جنت مسکن ہے، یعنی جنت کو مشکلات اور دشواریوں سے ڈھانپ لیا گیا ہے۔

دنیا میں ہونے والی ساری بُرائیاں اور فساد کے پیچھے نفس ہی کی کارستانیاں ہوتی ہیں، ظلم ہو، ٹکراؤ ہو، بے حیائی ہو، دوسروں پر بالادستی حاصل کرنے کی کوشش ہو، غرض کہ ساری بُرائیاں نفس پرستی کا نتیجہ ہوتی ہیں، اس لئے جہنم کو نفس پرست انسانوں ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔